آسیہ رئیس خان

مکمل ناول

وہ جو پیچھے رہ گئے

اس نے پیسے نکالنے کے لیے ہاجرہ کا ہاتھ ذرا دیر کے لیے چھوڑا تھا اور جب کرایہ ادا کر کے پلٹی تو وہ پیچھے نہیں تھیں۔ اس نے دائیں بائیں نظریں گھمائیں، پیچھے مڑ کر دیکھا، تیزی سے آگے بڑھ کر عمارت کے داخلی دروازے کا جائزہ لیا مگر وہ کہیں نہیں تھیں۔

اسپتال کا احاطہ تھا، اس لیے مسلسل رکشا، اسکوٹر، بائیک اور دیگر سواریوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ وہ تیز قدموں سے چلتی ماں کو ڈھونڈنے لگی۔ عجلت اور بے قراری اس کے انگ انگ سے ظاہر تھی۔ ہاجرہ ہی جسامت والی دو عورتوں کو اس نے دوڑ کر پکڑا اور رخ اپنی سمت کر کے چہرہ دیکھا۔ اجنبی چہرہ دیکھتے ہی ان سے اپنی حرکت کی معذرت یا وضاحت کیے بنا وہ انھیں چھوڑ کر اسی رفتار سے آگے بڑھ کر دوسرا چہرہ دیکھنے لگتی۔

گھبراہٹ میں وہ یہ بھی فراموش کر بیٹھی تھی کہ ہاجرہ نے آسمانی ساڑھی پہنی ہے۔ مختل ہوتے حواس سنبھالتے ہوئے وہ ان کے سے قد و قامت والی ہر عورت کو روک رہی تھی۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی دھڑکن دھیمی ہوتی جا رہی تھی، مانو بس اب تھم جانے کو ہو۔ ہاتھ پیر بے جان ہونے لگے تھے۔ اس کا دوپٹا سر سے ڈھلک کر شانوں پر آن گرا تھا۔ ہینڈ بیگ کا ایک اسٹریپ کاندھے سے نیچے جھول رہا تھا۔ اسپتال کے آس پاس کا سارا علاقہ چھاننے کے بعد وہ آنسوؤں سے بھری آنکھوں اور کانپتے ہاتھوں سے عبدالخالق کو فون لگا رہی تھی۔

www.zemtime.com

"اور نہیں میرے اللہ!" اس کا روم روم تڑپتے ہوئے دعا گو تھا۔

"ہیلو۔" عبدالخالق کی آواز سنتے ہی وہ رونے لگی۔

"ابو! امی نہیں مل رہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"رکشے والے کو پیسے دے رہی تھی، اتنی دیر میں وہ جانے کہاں چلی گئیں۔"

"تم روؤ مت بیٹا، گھبراؤ نہیں، وہیں کہیں ہوں گی۔" ان پر بھی ایک دم بے چینی اور گھبراہٹ طاری ہوئی، انھیں بیٹی بیوی دونوں کی فکر لاحق ہوئی مگر صائبہ کے سامنے خود کو پرسکون ظاہر کرنا ضروری تھا۔

"تم وہیں ٹھہرو، میں آتا ہوں۔" اپنی کیفیت اس پر ظاہر کیے بنا انہوں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"جی ابو، جلدی آئیں۔" انہوں نے فون بند کر دیا۔ اس نے آنسو صاف کیے اور ایک بار پھر ہاجرہ کی تلاش شروع کی۔ اب وہ وہاں موجود لوگوں کو ان کا حلیہ بتا کر ان سے پوچھ رہی تھی۔ پوچھتے پوچھتے اسے اچانک فون میں موجود ہاجرہ کی تصویر کا خیال آیا۔ جب تصویر دیکھ کر بھی سب نفی میں سر ہلانے لگے تو باپ سے بات کرنے کے بعد بندھی ڈھارس پھر ختم ہونے لگی۔

"مجھ سے ہی کیوں ہوتا ہے یہ؟ اللہ امی! یہیں کہیں ہوں، وہ جلد مل جائیں، انھیں کچھ نہ ہوا ہو۔" وہم اور بے آرام کرنے والے خیال، جن سے وہ بڑی مشکلوں سے پیچھا چھڑا پاتی تھی، ایک بار پھر اس کے سر پر پھیلائے منڈلانے لگے تھے۔ ان کا سیاہ سایہ ایک بار اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ اسے احساس ہی نہیں ہوا، وہ مسلسل رو رہی ہے۔ کچھ اسے حیرت اور بے زاری سے دیکھ رہے تھے تو کچھ کی نگاہوں میں ترحم تھا۔ عبدالخالق اسکوٹی سے وہاں پہنچے تو وہ اسپتال کے دروازے پر کھڑی رو رہی تھی۔

"سب جگہ دیکھ لیا ابو وہ کہیں نہیں ہیں۔"

"حوصلہ رکھو۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔ "اندر دیکھا؟"

"نہیں۔"

"آؤ، اندر دیکھ لیں ایک بار۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے اسپتال کی عمارت کے اندر داخل ہوئے۔

"یہاں نہیں ہوئی تو پولیس اسٹیشن چلتے ہیں۔" یہ سنتے ہی اس کے قدم بے جان ہو گئے۔

"پولیس اسٹیشن؟" وہ ان کا ہاتھ چھوڑ کر رک گئی۔ اس کا ہراساں چہرہ دیکھ کر عبدالخالق کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"وہ اندر ہی ہوگی ان شاءاللہ۔" انہوں نے پھر اس کا ہاتھ تھاما اور آگے بڑھ گئے۔

یہ ایک نیم سرکاری اسپتال تھا، اس لحاظ سے صاف ستھرا مگر بھیڑ سے بھرا تھا۔ استقبالیہ لابی سے آگے بڑھ کر کشادہ راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ دونوں مخالف سمت میں مختلف کیبنوں کے سامنے بیٹھے مریضوں میں ہاجرہ کو ڈھونڈنے لگے۔ آخری کیبن کے بعد راہداری کے اختتام پر اسٹاف رومز کے سامنے پہنچ کر وہ بالکل مایوس ہو کر پلٹ رہی تھی کہ دائیں طرف اسے وہ نظر آ گئیں۔

"امی!" وہ دوڑ کر ان تک پہنچی اور قدموں میں بیٹھ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"رو کیوں رہی ہے؟" انہوں نے درشتی سے کہا۔

"دیکھ تو ثوبان مل گیا مجھے۔" ان کی آواز میں بشاشت تھی۔

"آں....." اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ دھواں دھار نکل رہے آنسو ایک دم تھم گئے اور پل بھر کو خوشی کی پُرزور لہر ابھر کر دم توڑ گئی۔ ہاجرہ بینچ پر ساتھ بیٹھے شخص کا ہاتھ تھام کر بڑی محبت سے ان ہاتھوں کو دیکھنے لگیں۔

صائبہ نے سر اٹھا کر ان کے بازو میں بیٹھے شخص کو دیکھا۔ اسیر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس عجیب صورت حال پر حیرت یا جھنجھلاہٹ

www.zemtime.com

نہیں بلکہ نرمی کا تاثر تھا۔ نگاہ ملتے ہی وہ ہلکے سے مسکرایا۔ صائبہ نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر ماں کو دیکھا۔ وہ خوشی سے مسکراتے ہوئے اپنے ہاتھ میں اجنبی کا ہاتھ جکڑے اسے سہلا رہی تھیں۔ اس نے گہری سانس لیتے ہوئے چہرہ خشک کیا اور کھڑی ہوگئی۔ اس میں فی الحال اس اجنبی شخص کو وضاحت دینے، معذرت کرنے اور اس صورت حال سے نپٹنے کی سکت نہیں تھی۔ اس سے پہلے بھی ایسا کئی دفعہ ہو چکا تھا اور ہر بار زبردستی پکڑ کر بٹھائے گئے بندے کو سمجھانا اور پھر اس کی تلخ و ترش باتیں سننا پڑتی تھیں۔ وہ کچھ کہے بنا وہاں سے دور ہو کر عبدالخالق کو فون لگانے لگی۔

"ابو لاسٹ میں آئیں، امی ادھر ہیں، جی۔" ان کے کال ریسیو کرتے ہی اس نے کہا۔

زرد اور سرمئی امتزاج کے سوٹ میں گندمی رنگت اور درمیانے قد والی اس لڑکی کو وہ یوں دیکھ رہا تھا جیسے بعد میں یادداشت کے سہارے اس کا ہو بہو اسکیچ بنانا ہو اور معمولی سی تفصیل بھی مس کرنا گناہ ہوگا۔ اسے اس کی متورم گہری سیاہ آنکھیں، چھوٹی سی ناک، قدرے سیدھی بھنویں، مختصر سا ماتھا اور بھرے بھرے ہونٹ ہی نہیں اس کا سیاہ ہینڈ بیگ، براؤن جوتے، کان کی چھوٹی سی بالیاں، دائیں آستین سے جھانکتی گھڑی اور بائیں ہتھیلی کی پشت کا داغ بھی ازبر ہوگیا تھا۔ اتنا ہی نہیں ترتیب سے اس کے چہرے پر بدلے فکر، اطمینان، مسرت اور پھر دکھ کے ساتھ ملامت کے تاثرات بھی ذہن میں درج تھے۔ عمر کے فرق کے باوجود اس کے قریب بیٹھی خاتون اور اس جاذب نظر لڑکی کے چہروں کی مماثلت انھیں ماں بیٹی بتا رہی تھی۔

فون بند کر کے اس نے ایک تھکی تھکی سانس لے کر ہینڈ بیگ اور دوپٹا درست کیا اور وہیں کھڑی عبدالخالق کا انتظار کرنے لگی۔ ماں کے مل جانے پر کچھ دیر پہلے والی بے قراری اب ندارد تھی اور ذرا پیچھے چلی گئی دائمی اداسی پھر احساسات کی محفل میں نشست سنبھال چکی تھی۔ اس نے مڑ کر دوبارہ انہیں دیکھا نہیں تھا مگر اسیر کو محسوس ہو رہا تھا۔ وہ آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

"کہاں ہیں؟" عبدالخالق صاحب نے قریب پہنچ کر پوچھا ہی تھا کہ بنچ پر نظر پڑی۔

"اوہ!" ایک اجنبی نوجوان کا ہاتھ تھامے بیٹھی بیوی کو دیکھتے ہی انہیں سارا ماجرا سمجھ میں آگیا۔ وہ بنچ کے پاس آ کر رک گئے۔

"ہاجرہ! ڈاکٹر کا کیبن ادھر نہیں ہے، چلو ورنہ ہمارا نمبر چلا جائے گا۔"

"آپ کیوں آگئے یہاں؟ میں ثوبان کے ساتھ جاؤں گی۔" وہ نروٹھے پن سے گویا ہوئیں۔

"ثوبان کو بہت ضروری کام ہے اس وقت، اسے پہلے وہ کرنے دو۔" ان کی بات پر ہاجرہ نے اسیر کو دیکھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا کر اپنا ہاتھ ہاجرہ کی گرفت سے نکال کر ان کا ہاتھ تھپتھپایا۔

"آپ پہلے ڈاکٹر سے مل لیں۔" اس سلجھے انداز میں ان کے ساتھ جھوٹ میں شامل ہونے پر وہ دونوں باپ بیٹی حیران ہوئے۔ ہاجرہ نے انھیں ایسی مشکل میں پہلے بھی ڈالا تھا اور ہر بار انھیں مقابل کی بے آرامی، ناگواری، جھنجھلاہٹ اور کبھی غصہ تک جھیلنا پڑتا تھا۔ کوئی ان کے ساتھ اس کھیل میں اس طرح شامل نہیں ہوتا تھا جیسے وہ ہوا تھا۔

"تم صائبہ کے ساتھ جاؤ، میں پیچھے آرہا ہوں۔" انہوں نے ہاجرہ کو کھڑا کیا۔ تب تک وہ بھی قریب پہنچ گئی تھی۔

"چلیں امی۔" اس نے ان کے شانوں کے گرد بازو پھیلایا اور انھیں ساتھ لے کر آگے بڑھی۔ ہاجرہ نے مڑ کر اسیر کو دیکھا جواب کھڑا تھا۔ اس نے مسکرا کر انھیں جیسے تسلی دی۔ راہداری میں غائب ہونے تک وہ مڑ مڑ کر اسے دیکھتی رہیں۔

"ہم اس تکلیف اور پریشانی کے لیے بہت شرمندہ ہیں۔" عبدالخالق نے انگریزی میں کہا۔

"معذرت کر کے شرمندہ نہ کریں انکل۔" اس

www.zemtime.com

نے شائستگی سے شستہ اردو میں کہا۔
"آنٹی نے شاید مجھے انٹرنس پر دیکھا اور وہیں سے میرے پیچھے یہاں تک چلی آئی تھیں۔"
"بیٹا کھو دینے کا غم اور اس کے نہ ہونے کی حقیقت اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی وہ پوری طرح قبول نہیں کر پائی ہے۔ کبھی کبھی یونہی کسی نوجوان میں اسے اپنا بیٹا نظر آجاتا ہے۔"
"اوہ! میں ڈاکٹر اسیر زماں....." اس نے تعارف کے ساتھ مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے عبدالخالق نے تھام لیا۔ "جنرل سرجن، کچھ دن پہلے ہی یہاں جوائن کیا ہے۔"
"ماشاءاللہ۔ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"
اس نے ہاجرہ کے ڈاکٹر کا نام پوچھا اور چند مزید باتوں کے بعد عبدالخالق ڈاکٹر ساحل میتھی کے کیبن کے پاس چلے آئے کہ دن کا یہ وقت سب ہی ڈاکٹروں کی او پی ڈی کا ہوتا تھا۔ یقیناً اس کے مریض بھی انتظار کر رہے ہوں گے۔
یہ معمول کا فالواپ تھا لیکن کچھ دیر پہلے والے اپی سوڈ کے بعد ڈاکٹر نے مزید کچھ دواؤں کا اضافہ کر دیا۔ وہ تینوں وہاں سے فارغ ہو کر واپس ہو رہے تھے تب ہاجرہ کی نظر پھر استقبالیہ پر کھڑے اسیر پر پڑی۔
"اب ثوبان کو بھی ساتھ ہی لے لیں۔" انہوں نے رک کر اس کی سمت اشارہ کرتے ہوئے شوہر سے کہا۔ اس نئی فرمائش پر ان دونوں کے چہرے پر پریشانی پھیل گئی۔ تب ہی اسیر بات ختم کر کے پلٹا اور انھیں دیکھ کر اس سمت چلا آیا۔ صائبہ نے ہینڈ بیگ کا اسٹریپ سختی سے پکڑا۔
"اب جانے کیا سین کریٹ ہو۔" اس کا دل پہلے ہی بیٹھنے لگا۔
"مجھے کچھ اور وقت لگے گا، کام ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔" اس نے بنا کسی تمہید کے ہاجرہ کو مخاطب کیا۔
"یہاں تمھارا کیا کام؟"
"میں ڈاکٹر ہوں یہاں۔"
"اچھا اچھا۔" ہاجرہ بے انتہا خوش ہو گئیں۔ شکر تھا انہوں نے مزید حجت نہیں کی تھی نہ تفصیل پوچھی تھی۔
"چلو، انھیں کام کرنے دو، ان کا وقت ضائع نہ کرو۔" عبدالخالق نے بیوی کا ہاتھ تھاما۔
"اللہ حافظ بیٹا۔" اسے کہتے ہوئے وہ ہاجرہ کو لیے آگے بڑھ گئے۔
"دیر مت کرنا ثوبان، جلدی آنا۔" انہوں نے مڑ کر بڑے لاڈ اور استحقاق سے کہا۔ اسیر نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ صائبہ بھی ان کے پیچھے آگے بڑھی۔ باہر نکلنے سے پہلے اس نے مڑ کر دیکھا، دراز قد اور چوڑے شانوں والا وہ خوبرو سرجن وہیں کھڑا انھیں دیکھ رہا تھا اس کے چہرے سے ذہانت ٹپکتی تھی۔
اسے امی کو لے کر یہاں بار بار آنا تھا اور وہ یہیں ڈاکٹر کے فرائض انجام دے رہا تھا، یہ حقیقت اسے ابھی سے نڈھال کر گئی۔
"یا اللہ! آئندہ کبھی امی اور اس ڈاکٹر کا سامنا نہ ہو۔" اس نے دعا مانگی۔
عموماً اسپتال میں اتنا وقت نہیں لگتا تھا مگر آج کے غیر معمولی حادثے کی وجہ سے خاصی دیر ہو گئی تھی۔ عبدالخالق بھی اس کے فون پر آفس سے اسپتال آئے تھے۔ وہ واپس آفس جانے کے بجائے اپنی اسکوٹی پر ان کے رکشا کے پیچھے گھر ہی چلے آئے۔ ہاجرہ کا مزاج ٹھیک ہوتا تو ہی صائبہ انھیں اسپتال لے جاتی تھی ورنہ پھر یہ کام عبدالخالق کو کرنا پڑتا تھا۔
ان تینوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا پھر ہاجرہ کو دوائی دی۔ انہوں نے بمشکل ظہر کی چار فرض پڑھی اور دوا کی وجہ سے فوراً سو گئیں۔ نمازوں پر بھی ان کی ذہنی کیفیت اثر انداز ہوتی تھی۔ کبھی ایک ہی نماز دو چار بار پڑھ لیتیں، کبھی ان پر جیسے ضد سوار ہو جاتی شوہر اور بیٹی کے کہنے پر بھی وہ نماز کو کھڑی نہیں ہوتیں، کبھی ان کے یاد دلانے پر چپ چاپ پڑھ لیتی تھیں۔

www.zemtime.com

اس کے بعد عبدالخالق آفس چلے گئے۔ ایسے ایسی سوڈ کے بعد وہ جب سو کر اٹھتیں تو سب بھول جاتی تھیں لیکن آج اسے ڈر لگ رہا تھا کہ شاید انھیں سب یاد رہے گا۔ پہلے بھی کوئی یوں ان کا بیٹا نہیں بنا تھا جیسا آج بنا تھا۔ ان کے کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ ہال میں آ گئی۔ اب انہوں نے شام میں ہی جاگنا تھا۔ صوفہ اور درمیان کا رگ چھوڑ کر وہ فرش پر دیوار سے ٹیک لگا کر پیر سامنے پھیلا کر بیٹھ گئی۔

دوائی کے زیر اثر ہوش و خرد سے بیگانہ بے ہوشی جیسی نیند میں ڈوبی ماں، سرکاری نوکری سے سبکدوشی کے بعد خود کو مصروف رکھنے کے لیے ایک معمولی فرم میں اکاؤنٹنٹ کی نوکری کرنے والا باپ، جس کزن کو پسند کرتی تھی اس کا رشتہ ٹھکرا کر دوسرے شہر شادی کرنے والی بہن اور بیوی بچوں کے ساتھ دوسرے ملک بس جانے والا بھائی، ان سب کی قصوروار وہ تھی۔ اس گھر کی تنہائی، خاموشی، اداسی اور دائمی دکھ کی وجہ وہ تھی۔ اس کی ایک غلطی، ایک لاپروائی نے ان سب کو زندہ درگور کر دیا تھا۔

وہ گہرے خیالوں میں ڈوبی تھی اور ہمیشہ کی طرح اس کے ناخن خود بخود بائیں ہتھیلی کے پرانے زخم کو کریدنے لگے تھے۔ اس کی اسی عادت نے وہاں بدنما داغ بنا دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی اس کی سزا ختم ہو بلکہ وہ اپنے پیاروں کی سزائیں بھی خود بھگتنا چاہتی تھی مگر کاش ایسا کر پانا اس کے اختیار میں ہوتا! وہ اکثر سوچتی تھی، کیا فائدہ سائنس کی اتنی ترقی کا جب ہم کسی کا درد نکال کر اپنے اندر منتقل کرنے کے قابل نہیں ہوئے ہیں۔

☆☆☆

وہ اس سے ایک سال ہی چھوٹا تھا۔ ہمیشہ اس کا ہاتھ تھام کر ہر جگہ جانے والا اس کا معصوم بھائی اس کی غفلت کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے کھو گیا تھا۔ سمینٹ فیکٹری اور ٹریکٹر مینوفیچرنگ پلانٹ کے قریب ہونے کی وجہ سے اس شہر کو شہرت حاصل تھی۔ دوسری وجہ یہاں کسی ٹرسٹ کے زیر اہتمام بنا بہت بڑا نیم سرکاری اسپتال تھا۔ یہاں کے آبائی باشندوں کی تعداد کم تھی۔ زیادہ تر ان فیکٹریوں میں کام کرنے والے یہاں آن بسے تھے۔ ان کی رہائشی کالونیاں تھیں ان کے بچوں کے لیے اسکول، کالج تھے۔ اسپتال اور آبادی بڑھنے کے ساتھ روزگار کے ذرائع بھی پیدا ہو جاتے ہیں اس وجہ سے کچھ قریبی دیہات والے بھی اب یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ ہفتے کے دن ان کے گھر کے قریب ہی بازار لگتا تھا۔

ایسے ہی ایک دن وہ ثوبان کا ہاتھ تھامے بازار میں گھوم رہی تھی۔ وہاں اسے اسکول کی سہیلیاں مل گئیں۔ ان کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ کب ثوبان کا ہاتھ چھوڑ کر سہیلیوں کے ساتھ املی، پاپڑ، چنے اور چپس کھانے لگی ہے۔ جب سہیلیاں وداع ہوئیں تو وہ چونکی، ''ثوبان کہاں ہے؟'' تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ اسے ڈھونڈنے کی اپنی سی کوشش کے بعد وہ روتے دھوتے گھر پہنچی جہاں ڈانٹ پھٹکار کے بعد سب بازار میں ثوبان کو ڈھونڈنے دوڑے۔

بازار میں اعلان ہوا، محلے والے بھی تلاش میں شامل ہوئے پھر رشتے دار اور آخر میں پولیس۔ اگلا دن نکلا پھر دوسرا اور پھر تیسرا۔ پانچ سالہ زندہ بچے کی تلاش کسی بری خبر کے انتظار میں ڈھل گئی۔ اس کی تصویریں مقامی اخباروں میں چھاپی گئیں، شہر کے ہر گلی محلے، بس اڈے اور ریلوے اسٹیشن پر پوسٹر چسپاں کیے گئے، انعام کا اعلان ہوا، والدین کی اپیل کرتی ویڈیوز بنا کر سوشل میڈیا پر عام کی گئیں مگر ثوبان ملا نہ اس کی کوئی خبر۔

کئی لوگوں نے پوسٹر اور ویڈیوز دیکھ کر فون کیے مگر تحقیق اور ملاقات کے بعد وہ سب بے سود ثابت ہوتے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ بے چینی، بے قراری اور اداسی بڑھتی جا رہی تھی۔ دن ہفتے اور پھر مہینوں میں ڈھل گئے تھے۔ صبر اور سکون غائب تھا۔ کبھی کوئی کہتا ''فلاں جگہ ثوبان جیسا بچہ دکھا تھا۔'' تو عبدالخالق فوراً وہاں پہنچتے، کبھی کسی لاوارث

www.zemtime.com

لاش کی خبر گردش کرتی تو وہاں بھی دوڑتے مگر سب بے ثمر رہا۔ اس وقت شہر کے تھانے کے انچارج اقبال چوہدری کے لیے بھی یہ کیس اتنا خاص بن گیا تھا کہ سک دوشی کے بعد بھی وہ ثوبان کی تصویر جیب میں لیے گھومتے تھے۔ پیچھے بنا کسی شواہد اور نشانیوں کے بچے کا یوں غائب ہونا اور پھر اس کی کوئی خبر نہ مل پانا، ان کے کریئر کا واحد داغ تھا۔

اس کیس نے انھیں عبدالخالق کے قریب کر دیا تھا۔ ایک عرصے بعد اب وہ عبدالخالق کے دوست بھی تھے۔

ہر آنے والا صائبہ سے سوال کرتا "کیسے تم نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا؟ بھائی کا خیال کیوں نہیں رکھا؟" سب اس چھ سالہ بچی سے کہتے، تم بڑی تھیں، وہ تمہاری ذمہ داری تھا۔ کسی خبر سے بندھی نئی امید ٹوٹنے پر گھر کا کوئی فرد یا رشتے دار ہی آخر میں ایک کاش کے ساتھ اس کی غلطی دہرا دیتا تھا۔ چھ سال کی عمر میں اس حادثے نے کم عمری میں ہی اس پر وہ بوجھ ڈالا کہ وہ دنیا تو دور اپنے مقابل بھی سر نہ اٹھا سکی۔

کئی تھے جو عبدالخالق اور ہاجرہ کو بھی غیر ذمہ دار گردانتے تھے جنھوں نے چھوٹے بچوں کو یوں تنہا بازار میں جانے دیا تھا۔ یہ الزام سیدھا نہیں ہوتا تھا۔

"میں تو کبھی اپنے بچوں کو تنہا کہیں جانے نہیں دیتی۔ اور" بھیڑ والی جگہوں پر میں ہمیشہ بچوں کے ساتھ جاتا ہوں۔ "جیسے"

ہم ذمہ دار والدین" کی کمان سے یہ "چھ غیر ذمہ دار والدین" والا تیر نکلتا تھا۔ لوگ افسوس کرتے ہوئے گھر والوں کی دلی اور ذہنی کیفیات یکسر فراموش کر جاتے تھے۔ اپنا غم الگ اور دنیا کی ہمدردی کے ساتھ بطور والدین ان کے متعلق فیصلہ کن باتیں، آرا اور نگاہیں الگ۔ صرف ابو تھے جنھوں نے ایک بار بھی اسے قصور وار نہیں ٹھہرایا تھا، کبھی اس سے مجرموں والی پوچھ تاچھ نہیں کی تھی بلکہ اسے بہلاتے اور تسلی دیتے تھے۔ اسے ہمیشہ باور کرانے کی کوشش کرتے کہ اس میں اس کی غلطی نہیں۔ یہ ان کے خاندان کا ایسا داغ تھا جو جگ پر ظاہر تھا۔ اسے چھپایا نہیں جا سکتا تھا۔ اسی لیے یہ لوگوں کے لیے کبھی پرانا ہوا نہ جلد کسی نے اسے فراموش کیا۔ اس واقعہ نے انھیں مشہور کر دیا تھا، سب انھیں جانتے تھے۔ راستہ چلتے ہوئے بھی لوگوں کی باتیں اور نگاہیں کئی دن تک ان کا پیچھا کرتی رہی تھیں۔

ثوبان سب سے چھوٹا اور گھر بھر کا لاڈلا تھا۔ اس کی شرارتیں، اس کی باتیں کوئی بھول نہیں سکا تھا۔ انتظار کی سولی پر مہینے سالوں میں بدلتے گئے۔ عبدالخالق پابندی سے پولیس اسٹیشن کے چکر لگاتے رہے۔ ان کی تلاش اور حوصلہ دم توڑ گئے تھے مگر اب بھی جو اول دن اتنا ہی شدید تھا وہ دکھ تھا، اس کی خیریت جاننے کی تڑپ تھی، اسے پا لینے کی، اس کے مل جانے کی امید تھی۔ سب جیسے اس کے متعلق اچھی بری سہی مگر کوئی خبر سننے کے لیے جی رہے تھے۔ ثوبان کے ساتھ ہی گھر سے خوش حالی اور اطمینان بھی غائب ہو گئے تھے۔

زندگیاں اور مسرتیں ٹھہر گئی تھیں مگر وقت نہیں رکا تھا۔ ان بیس برسوں میں ہاجرہ کی حالت بد سے بدترین ہوتی گئی۔ ابتدا میں وہ سارا دن سوئی رہتیں کہ یہ عارضی بے ہوشی حقیقت سے فرار کا آسان راستہ تھی۔ کبھی گھر کے کام کرتے کرتے وہ سب چھوڑ کر ایک طرف خاموش بیٹھ جاتیں، خالی آنکھوں سے دروازہ تکتی رہتیں۔ کبھی انھیں ہر کسی پر غصہ آتا اور وہ مسلسل سب کو برا بھلا کہتیں۔ کبھی ان کے عتاب کے نشانے پر صرف صائبہ ہوتی۔ کبھی سارا سارا دن وہ ایک جگہ بیٹھے بیٹھے گزار دیتیں، کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتیں۔

عبدالخالق کا پورا دن آفس میں گزرتا تھا۔ گھر میں ماں کی اس حالت کا اثر تینوں بچوں پر ہونا ہی تھا۔ ان سب کی وجہ سے لائبہ اور صائبہ کو جلد ہی گھر اور باورچی خانے کی ذمہ داریاں اپنے سر لینا پڑی تھیں۔ ایک سال تک چھوٹی خالہ کی شادی نہیں ہوئی

www.zemtime.com

تھی تب تک وہ کبھی کبھار ان کے پاس رک جاتی تھیں لیکن اس گھر میں پھیلی وحشت اور اداسی لوگوں کو منحوست لگنے لگی تھی، وہ یہاں آنے سے کترانے لگے تھے۔ خالہ کی شادی اور نانی، نانا کے انتقال کے بعد ننھیال سے جیسے تعلق ٹوٹ ہی گیا تھا۔ ایک تایا کا خاندان تھا جو کبھی کبھار خبر گیری کے لیے آجاتے تھے ورنہ سب نے انھیں چند ماہ بعد ہی مکمل ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ سب کو اس حادثے کا دکھ اور افسوس تھا وہ انھیں پورے خاندان سے ہمدردی بھی تھی مگر چند بول لکے علاوہ انھیں مزید کیا کرنا چاہیے وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے پھر اس گھر کی افسردہ اور دل گیر فضا کسی کو یہاں زیادہ دیر ٹھہرنے بھی نہیں دیتی تھی۔ گھر والے بھی مل جل کر مقابلہ کرنے کے بجائے اپنی اپنی جنگ الگ لڑ رہے تھے۔ ماں نیم دیوانی، باپ مصروف اور بچے اپنے خول اور دائرے میں بند ہوتے گئے۔

ماں کے مزاج اور گھر پر چھائی وحشت سے دور جانے کے لیے ہی لائبہ نے تایا کے بیٹے سے شادی سے انکار کر دیا اور اٹھارہ سال کی عمر میں آئے پہلے رشتے کے لیے ہامی بھر کے شادی کر کے دوسرے شہر چلی گئی تھی۔

وہ اس گھر، اس شہر سے بہت دور جانا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی محلہ بدل لینے سے زندگی نہیں بدل سکتی۔ خاندان میں اور اسی شہر میں رہتے ہوئے وہ کبھی اس دائرے سے باہر نہیں نکل سکے گی، جس میں صرف اداسی اور دکھ ہی نہیں ایک عجیب سی بے چینی اور وحشت بھی تھی۔ ثوبان کی یادیں اور اس کی گمشدگی کا احساس خوشی نگلنے والی عفریت کی طرح اس شہر اور گھر سے لپٹا تھا۔

یہ حادثہ ان کے سروں پر پھیلا وہ گہرا سیاہ بادل تھا جو اپنے زیر سایہ زندگیوں کو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔

جو لائبہ نے کیا وہ ہی نعمان نے بھی کیا۔ وہ دسویں کے بعد ہی تعلیم کے بہانے شہر چھوڑ چکا تھا۔ ڈگری مکمل کرتے ہی اس نے شادی کے لیے نہ صرف وہاں لڑکی پسند کر لی تھی بلکہ وہ ملک سے باہر جانے کے سارے انتظام بھی مکمل کر چکا تھا۔

اس نے سارے فیصلے کرنے کے بعد باپ کو بس آگاہ کیا تھا اور انہوں نے بھی اس کی ساری باتیں مان لی تھیں۔ جہاں اور جس سے کہا، اس سے شادی کروادی اور اسے باہر جانے سے بھی نہیں روکا۔ ایک بار پھر پیچھے وہ رہ گئی تھی، بوڑھے والدین اور پرانے زخموں کے ساتھ۔

گھر والوں کے لیے ثوبان کی گمشدگی کے بعد سب سے بڑا بار ہاجرہ بن گئی تھیں جس کا اندازہ انھیں بہت دیر سے ہوا تھا۔ ان کا مزاج اور حالات اس تیزی سے تنزلی کا شکار تھے کہ جلد ہی ماہر نفسیات کو دکھانا پڑا اور اب وہ پرانی نفسیاتی مریضہ تھیں جن کا مسلسل علاج جاری تھا۔ ان کا ذہن اس خسارے کو قبول نہیں کر سکا تھا۔ ان کو مختلف دورے پڑتے رہتے۔ صائبہ کو کوسنے اور الزام دینے سے لے کر کسی بھی راہ چلتے کو ثوبان مان لینے تک، یہ دورے بڑے غیر متوقع اور غیر یقینی ہوتے تھے۔

کبھی وہ سارا گھر تہس نہس کر دیتیں، صائبہ پر چیختی چلاتیں تو کبھی بالکل نہیں لگتا انھیں کوئی مسئلہ ہے۔ زیادہ بات نہیں کرتی تھیں۔ اپنے کمرے سے باہر کم ہی نکلتیں۔ جب ٹھیک رہتیں تو چپ چاپ ساری باتیں مان لیتی تھیں۔ کھانا کھالو، دوا لے لو، نماز پڑھ لو، جوان سے کہا جاتا کر لیتیں۔

ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھے وہ فرش پر لیٹ گئی۔ اس کا رخ دروازے کی طرف تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اسی حالت میں سو گئی تھی۔

مغرب سے پہلے ہاجرہ جاگیں تو دوپہر والے واقعے کا ان پر کوئی اثر نہیں تھا۔

☆☆☆

نورن خالہ آج وقت سے پہلے صفائی کر کے جا چکی تھیں۔ وہ ان کے دھوئے برتن جگہ پر رکھ کر ہال میں آئی تو ایک بج رہا تھا۔ وہ اور ہاجرہ عموماً ظہر کی نماز

www.zemtime.com

پڑھ کر کھانا کھاتی تھیں۔ عبدالخالق نو بجے ٹفن لے کر جاتے تھے اور شام پانچ بجے ان کی واپسی ہوتی تھی۔ اس نے غسل کیا، اس کے بعد ظہر کی نماز پڑھی۔ ہال میں میز پر کھانا لگانے کے بعد وہ ہاجرہ کو بلانے ان کے کمرے میں آئی۔

"چلیں امی....." دروازہ کھلتے ہی وہ گھبرا گئی۔ کمرہ خالی تھا۔

"امی.....! امی.....!" اس نے آوازیں لگاتے ہوئے سارا گھر چھان مارا۔ وہ کہیں نہیں تھیں۔ چھوٹے سے احاطے کا داخلی دروازہ کھلا دیکھ کر اس کے ہاتھ پیر بے جان ہونے لگے۔ گھبراہٹ کے ساتھ پھر اس کی ٹانگیں اور ہاتھ کانپنے لگے تھے۔ وہ فوراً جہاں کھڑی تھی، وہیں بیٹھ گئی۔ وہاں سے جو بھی گزرتا، باورچی خانے سے اس نے ضرور نظر آتا تھا۔ اس کا مطلب تھا وہ اس کے غسل خانے میں جانے کے بعد گھر سے باہر گئی ہیں۔ اس نے فون اٹھایا لیکن پھر ابو کو پریشان کرنے کے خیال پر اسے رونا آ گیا۔ اسپتال والے واقعہ کو ابھی چھ سات دن ہی ہوئے تھے۔

"ہاسپٹل....." اسپتال کا خیال آتے ہی اس کا ذہن جاگ گیا۔ کپڑے تبدیل کرنے اور بال بنانے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے ہینڈ بیگ اٹھایا اور گھر کو قفل لگا کر رکشا سے اسپتال پہنچی۔

"مجھے ڈاکٹر اسیر زماں سے ملنا ہے۔" اس نے استقبالیہ پر بیٹھی لڑکی سے کہا۔

"اوہ....." لڑکی نے بغور اسے دیکھا۔ پھر کسی کو آواز دے کر اسے ڈاکٹر اسیر زماں خان کے کیبن تک پہنچانے کو کہا۔ اسے شاید پہلے ہی ہدایت مل چکی تھی کہ اس سے ملنے آنے والے کو کیبن تک پہنچا دیا جائے۔

"یہ ڈاکٹر زماں کا کیبن ہے۔" وارڈ بوائے اسے کیبن کے باہر چھوڑ کر چلا گیا۔

"اللہ کرے امی یہیں ہوں۔" اس نے دل سے دعا کرتے ہوئے دروازے پر دستک دی۔

"کم اِن۔" اندر سے اسیر کی آواز آئی۔ دروازہ کھلتے ہی سامنے کرسی پر ہاجرہ نظر آ گئیں۔ اس کے تنے اعصاب اور عضلات ایک دم ڈھیلے پڑے۔

"تم کیوں یہاں چلی آئیں؟" ہاجرہ نے پُرشکن پیشانی کے ساتھ برہمی سے پوچھا۔ اس نے ماں کی جھاڑ پر شرمندگی سے اسیر کو دیکھا۔ میز کے دوسری طرف آج وہ بلیو اسکرب میں تھا۔

"یا اللہ! امی نے انھیں آپریشن تھیٹر سے باہر نہ نکالا ہو۔" اس نے دعا کی۔

"امی! یہاں؟ انھیں بہت اہم اور ضروری کام ہوتا ہے، آپ یوں بنا اطلاع دیے کبھی بھی ملنے نہیں آسکتیں۔" ان کی کرسی کے قریب پہنچ کر اس نے نرمی سے دھیمی آواز میں کہا۔ ہاجرہ نے منہ پھلا لیا۔

"میں اپنے بیٹے سے کبھی بھی ملنے آسکتی ہوں، اس کے لیے مجھے تمہاری یا کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔"

"اچھا مل لیا ناں، اب چلیں گھر۔" اس نے اب اور آہستگی اور نرمی سے کہا۔

"میں ٹوبان کے ساتھ واپس آجاؤں گی، تم جاؤ۔" انہوں نے اس کی طرف سے رخ موڑ کر اسیر کی طرف کیا۔

"مجھے ابو کو ساتھ لانا چاہیے تھا۔" صائبہ نے بے بسی سے سوچا۔ اسیر کرسی کھسکا کر کھڑا ہوا۔

"چلیں گھر چلتے ہیں، میری ڈیوٹی ختم ہو گئی ہے۔" ہاجرہ کے چہرے پر مسرت پھیل گئی۔ یہ قطعی غیر متوقع صورت حال اس کے لیے پریشان کن تھی۔ وہ نروس سی انگلیاں مروڑنے لگی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس سے کیا کہے۔

"گھر پہنچ کر اگر امی انھیں واپس جانے ہی نہ دیں تو.....؟" اس کی کشمکش اسیر نے بھی محسوس کی۔

"میں چینج کر کے آتا ہوں۔ آپ بیٹھیں۔" اس نے دور رکھی ایک کرسی اٹھا کر اس کے قریب رکھی۔

www.zemtime.com

"ریلیکس۔" اس نے دھیرے سے کہا۔ صائبہ اسے دیکھنے لگی۔ بس اس کا رونا باقی تھا۔ وہ یونہی کھڑی رہی۔

"بیٹھیں۔" اس نے میز سے چھوٹی سی پانی کی بوتل اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی۔ کسی بے جان روبوٹ کی طرح بیٹھ کر اس نے بوتل تھام لی۔

"میں دو منٹ میں آیا۔" اسیر نے ہاجرہ کو مخاطب کیا اور دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔

"امی! آپ کو ثوبان سے ملنے یہاں آنا ہو تو مجھے کہا کریں۔" پانی سے حلق تر کرنے کے بعد وہ ماں کی طرف متوجہ ہوئی۔ "میں آپ کو لے کر آؤں گی۔ آپ جانتی تو ہیں، رکشا والے کتنا لوٹتے ہیں، آپ سے کچھ بھی رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔"

"ہاں" ہاجرہ نے سمجھنے والے انداز میں لمبا ہنکارا بھرا۔ "جبھی مجھ سے پورے چار سو روپے لیے اس نے۔"

"آپ کے پاس تھے؟"

"اونہوں۔" انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"پھر کرایہ کیسے دیا آپ نے؟"

"ثوبان نے دیا۔" صائبہ کی آنکھوں کے سامنے سارا منظر واضح ہو گیا۔

"امی!" اس نے ان کا ہاتھ تھاما۔ "آئندہ آپ اکیلی کبھی گھر سے نہیں نکلیں گی۔ یہاں ثوبان کبھی آپریشن تھیٹر میں ہوا تو پیسے کون دے گا؟"

"وہ کیوں ہوگا آپریشن تھیٹر میں؟" انھیں صائبہ کی بات پسند نہیں آئی۔ انہوں نے خفگی سے ہاتھ چھڑا لیا۔ اس اجنبی کو اس کی مرضی اور اجازت کے بنا ثوبان بنانا اسے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر اس وقت ہاجرہ کو یہ باتیں ذہن نشین کرانا بھی ضروری تھا۔

"امی! وہ ڈاکٹر ہیں، یہاں ان کے مریض ہوتے ہیں، ان کے آپریشن اور علاج کے لیے وہ آپریشن تھیٹر میں ہوتے ہیں، اس طرح بنا اطلاع اور بے وقت کوئی ملنے آئے گا تو ان کا کام متاثر ہوگا اور اسپتال والے بھی ناراض ہوں گے، ثوبان کے لیے کوئی مشکل نہیں ہونا چاہیے، ہے ناں؟"

"ہمم۔" انہوں نے جیسے چار و ناچار سر ہلاتے ہوئے اقرار کیا۔

تب ہی اسیر نے دروازہ کھولا۔ وہ اسکرب کی جگہ جینز اور ٹی شرٹ میں تھا۔

"چلیں۔" اس سے پہلے ہاجرہ کھڑی ہو گئیں۔ وہ دونوں آگے اور وہ ان دونوں کے پیچھے اسپتال سے باہر آئے۔ ان کے پیچھے چلتے ہوئے اسے اندازہ ہوا وہ کار پارکنگ کی طرف جا رہے ہیں۔ اسے کوفت نے گھیرا۔ کسی کی شرافت اور انسانیت کو اس قدر بھی آزمانا ٹھیک نہیں کہ یہ اس کے لیے سزا بن جائے۔

گاڑی کے پاس رک کر پہلے اس نے اگلا دروازہ کھول کر ہاجرہ کو اندر بٹھایا، سیٹ بیلٹ لگایا پھر اس کے لیے پچھلا دروازہ کھولا۔ وہ مجرموں کی طرح نادم سی اندر بیٹھ گئی۔

"راستہ بتائیے گا۔" دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے جھک کر کہا۔ صائبہ نے سر ہلایا۔

وہ اسے دایاں بایاں بتانے لگی۔ ہاجرہ خوشی خوشی گاڑی کا جائزہ لے رہی تھیں۔

ابھی چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ معمول کی طرح عبدالخالق کی کال آ گئی۔ وہ روز دوپہر میں ایک بار اسے فون ضرور کرتے تھے۔ اسے دبی آواز میں مختصراً سب بتانا پڑا۔ گھر کے سامنے گاڑی رکی اور اترنے سے پہلے ہاجرہ نے کہا۔

"تمھیں بھی بھوک لگی ہوگی، آؤ فوراً کھانا کھاتے ہیں۔" اس نے مسکرا کر تائید کی اور جب سے شرمندہ بیٹھی صائبہ کو ایک دم غصہ آ گیا۔

"کیا ضرورت ہے اس کھیل میں شامل ہونے کی؟ اوروں کی طرح ہاتھ جھٹک کر آگے بڑھ جاتے۔" باہر نکل کر اس نے دروازے کا قفل کھولا اور اندر داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے وہ دونوں بھی اندر آئے۔ مختصر سے احاطے کے دونوں طرف دو کمرے

www.zemtime.com

تھے۔ درمیان میں چھوٹا سا پکا صحن تھا۔ دائیں طرف باورچی خانہ تھا اور بایاں کمرہ لائبہ اور نعمان کی آمد پر ہی کھلتا تھا۔ سامنے ہال کا دروازہ تھا۔ ہال میں مزید دو کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔ ایک کمرہ اس کا تھا اور دوسرا ہاجرہ اور عبدالخالق کا۔

"کھانا تو ٹھنڈا ہو گیا ہوگا۔" ہال میں آتے ہی ہاجرہ نے میز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "صائبہ گرم کرلو۔" پھر اسیر کی سمت مڑیں۔

"تمھیں فریش ہونا ہوگا؟"

"نہیں، میں ٹھیک ہوں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"واش بیسن میں ہاتھ دھولو پھر۔" انہوں نے صحن کی سمت اشارہ کیا۔ صائبہ نے ہینڈ بیگ صوفے پر رکھا اور میز سے پیالے اٹھا کر باہر نکل گئی۔ اسیر ہاتھ دھونے اس کے پیچھے باہر نکلا تھا۔ ابھی تک اس اجنبی کی ممنون تھی صائبہ کو اب گھر میں ٹوبان کی حیثیت سے اس کی موجودگی کھل رہی تھی۔ باورچی خانے میں پہنچ کر خیال آیا؟ فون بھی ہینڈ بیگ میں ہے۔ وہ ابو کو فون کر کے بلانا چاہ رہی تھی۔ دال واپس پتیلی میں گرم کرنے رکھی اور چاول مائیکرو ویو میں رکھے۔ روٹیاں میز پر ہاٹ پاٹ میں ہی تھیں۔ وہ پیالے لے کر واپس آئی تب تک وہ دونوں کرسیاں سنبھال چکے تھے۔

"شروع کرو بیٹا۔" ہاجرہ نے اس کے سامنے رکھی پلیٹ میں دال ڈالتے ہوئے کہا۔

"جی۔" اس نے بہت تھوڑے سے چاول پلیٹ میں ڈالنے کے بعد اسے دیکھا۔ وہ کھڑی ہاجرہ کی پلیٹ میں کھانا نکال رہی تھی۔

"آپ نہیں کھا رہیں؟" اسیر نے یوں پوچھا جیسے وہ روز ساتھ کھانے کا عادی ہو۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ہاجرہ کے آگے پانی سے بھرا گلاس رکھ کر وہ صوفے پر رکھے ہینڈ بیگ سے فون نکال رہی تھی تب ہی اطلاعی گھنٹی بجی۔ وہ باہر بھاگی۔ دروازے پر عبدالخالق تھے۔ وہ انھیں ساری تفصیل بتا کر ان کے ساتھ ہال میں داخل ہوئی تو چہرے پر ذرا اطمینان تھا۔ اسیر اپنی پلیٹ صاف کر کے چمچہ پلیٹ میں ایک طرف رکھ چکا تھا۔ اس نے انھیں سلام کیا۔ وہ جواب دیتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ صائبہ نے گلاس میں پانی ڈال کر انھیں دیا۔ ہاجرہ کھانے میں مصروف تھیں۔

"دوائیاں بھی دے دو۔" انہوں نے صائبہ سے کہا۔ وہ کمرے میں جا کر دوائیاں لے آئی۔ کھانے کے بعد ہاجرہ نے خاموشی سے ساری دوائیاں لے لیں۔ وہ بڑی مطمئن تھیں۔ اس وقت انھیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ انھیں کوئی مسئلہ ہے اور وہ کسی اجنبی کو اپنا بیٹا بنا کر گھر لے آئی ہیں۔

"چائے پیو گے؟" اٹھتے ہوئے انہوں نے اسیر سے یوں پوچھا جیسے یہ روز کا معمول ہو۔

"نہیں۔"

"اچھا، میں نماز پڑھ کے آتی ہوں۔" وہ کمرے میں چلی گئیں۔ صائبہ میز سے برتن سمیٹ کر باہر چلی گئی۔

"اس پریشانی کے لیے بہت معذرت بیٹا۔ یہ پہلی بار ہوا کہ وہ اکیلی کچھ کہے بنا گھر سے نکل گئی۔"

"پلیز۔ آپ معذرت نہ کیا کریں، میں جانتا ہوں وہ مریضہ ہیں۔ آپ یہ احتیاط کریں کہ اب سے دروازہ لاک رکھا کریں۔"

"یہ آپ کی شرافت ہے بیٹا! جو آپ اپنی پرائیویسی اور پروفیشنل لائف میں یہ زبردستی کی مداخلت برداشت کر رہے ہیں۔"

"مجھے ان سب سے کوئی تکلیف یا پریشانی نہیں ہے انکل، آپ اتنا نہ سوچیں۔" پھر وہ ان سے ہاجرہ کی کیفیت اور ان کے مزاج اور برتاؤ کے متعلق سوال پوچھنے لگا۔

کچھ وقت بعد صائبہ کافی کے دو مگ لیے واپس آئی۔ وہ اس کے کیبن میں میز پر ڈسپوزیبل کپ میں جوں کی توں پڑی سرد کافی دیکھ چکی تھی۔ اس نے دونوں کے سامنے مگ رکھے۔

www.zemtime.com

"ابو آپ کافی پی کر امی کو دیکھ لیں۔" وہ یوں تو دواؤں کے زیر اثر جلد سو جاتی تھیں لیکن انھیں اس وقت باہر نکلنے سے روکنے کے لیے بستر پر لٹانا ضروری تھا۔

"میں نہیں پیوں گا بیٹا۔" وہ کھڑے ہو گئے۔ "آپ ٹھہریں، میں تھوڑی دیر میں آیا۔" اسیر سے کہہ کر وہ اندر کمرے میں چلے گئے۔

"بیٹھ جائیں۔" وہ جس کرسی کے قریب کھڑی تھی، اسیر نے کافی کا مگ دھیرے سے ادھر سرکایا۔ اسے وہاں تنہا چھوڑ کر چلے جانا بھی بداخلاقی تھی سو وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اپنے مگ سے کافی کا گھونٹ لے کر اس نے دوسرا مگ اسے تھمانے کے لیے اٹھا کر اس طرح اوپر کیا کہ اسے مگ لینا پڑا۔ سر جھکائے وہ بھی کافی پینے لگی۔ سیاہ ٹراوزر پر سفید اور سرخ امتزاج والے کرتے پر اس نے سیاہ دوپٹا اوڑھ رکھا تھا، الجھے نم بال کیچر میں قید تھے، کان میں ننھی بالیاں تھیں مگر کلائی پر گھڑی نہیں تھی۔ اس وقت اس کا حلیہ اس دن سے مختلف اور گھریلو سا تھا مگ کے گرد پھیلی ہتھیلی کی پشت پر کچھ نئے نشان تھے۔

ان کی مسلسل نظر کا اثر تھا کہ صائبہ نے سر اٹھایا۔ پکڑے جانے پر نگاہ چرانے کے بجائے اسیر مسکرایا۔ اس کی گہری نگاہیں اور مسکراہٹ سے جھلکتی دلچسپی پر اس نے سر جھکا لیا۔

"آنٹی کی یہ کنڈیشن کب سے ہے؟"

"بیس سال سے۔"

"انکل نے کہا تھا انہوں نے بیٹا کھویا ہے، کیا وہ......" صائبہ نے جس بے قراری سے مگ رکھ کر ہاتھ میز کے نیچے کیے، اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ اسے غلطی کا احساس ہوا اور فوراً بات بدل دے یا معذرت کر لے، وہ فیصلہ نہیں کر پایا۔

"کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" کچھ توقف کے بعد اس نے کہا۔

صائبہ نے آہستہ سے میز کے نیچے سے ہاتھ نکالے اور دونوں ہاتھ پر مگ تھام لیا۔ اسے دونوں ہاتھوں میں مگ لینے کی عادت تھی۔ اس کے ہاتھ پر نظر پڑتے ہی اسیر نے چونک کر اسے دیکھا۔ ہتھیلی کی پشت کے نشان کو بڑی بے دردی سے کریدا گیا تھا لیکن اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نہیں تھے۔

اس کے اندر کا طبیب بے چین ہوا۔ مزید کچھ نہ کہنے اور آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ نہ دیکھنے کے لیے اس نے بمشکل خود کو روکا۔ اس نے خالی مگ میز پر رکھا تب عبدالخالق واپس آئے۔ ان کے آتے ہی وہ اس کا خالی مگ اور اپنا آدھا بھرا اٹھا کر باہر چلی گئی۔

"سو گئی۔" کرسی پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے ایک لمبی سانس کھینچی، وہ خاموش رہا۔ ذرا توقف کے بعد عبدالخالق نے کہنا شروع کیا۔

"ہمارا سب سے چھوٹا بیٹا ثوبان بیس سال پہلے گم ہو گیا تھا۔ وہ آج تک مسنگ ہے۔" ان کی آواز میں درد تھا اس میں تہ در تہ درد کی کئی داستانیں تھیں۔ وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

"ہم سب نے خود کو سنبھال لیا ہے زندگی کے ساتھ آگے بڑھتے گئے مگر وہ بیس سال بعد بھی سنبھلی نہیں ہے۔"

اسیر جانتا تھا "سنبھال" کا مطلب پردہ ڈال لیا اور بڑھتے گئے کے معنی گھسیٹتے گئے ہوتا ہے۔ اس کے دکھ اور خسارے کی شدت اور اس کا اظہار کم، یا وہ ہوتا ہے۔ کبھی خاموش تو کبھی چیخیں اور کبھی اس طرح کی خود فریبی۔"

"کتنی عمر تھی اس وقت بیٹے کی؟"

"پانچ سال۔ جو اختیار میں تھا، جو ممکن تھا وہ سب کیا مگر انتظار اب بھی ختم نہیں ہوا ہے۔"

امید مت چھوڑیں، حوصلہ رکھیں، ایک دن وہ مل جائے گا، اس کی کوئی خبر ملے گی، وہ جہاں ہوگا بخیر ہوگا کتنے ہی فقرے ذہن میں آئے مگر زبان تک کوئی نہیں پہنچا۔

وہ پھر آج کی پریشانی اور تکلیف کے لیے معذرت کرنے لگے تو وہ کھڑا ہو گیا۔

"یقین کریں انکل! مجھے بالکل پریشانی نہیں

www.zemtime.com

ہوتی ہے بلکہ آپ کے معذرت کرنے پر شرمندگی ہوتی ہے، بہ حیثیت انسان اور ڈاکٹر میرا فرض ہے یہ کہ مریض کا خیال رکھوں۔"

اس نے جیب سے والٹ نکالا اور اس میں سے کارڈ نکال کر ان کی طرف بڑھایا۔

"اس پر میرا نمبر درج ہے اور بہتر ہوگا آپ بھی اپنا فون نمبر مجھے دے دیں۔ آئی ہوپ آئندہ ایسا کچھ نہ ہو پھر بھی احتیاطاً ہمارے پاس ایک دوسرے کے نمبرز ہونے چاہئیں۔"

"ہاں ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔" عبدالخالق نے کارڈ لے لیا۔ اسی وقت صائبہ ہال میں داخل ہوئی۔

"بیٹا! انھیں اپنا اور میرا فون نمبر دے دو۔" ان کے مخاطب کرنے پر وہ بھی مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"جی۔" اس نے صوفے پر رکھے ہینڈ بیگ سے پین اور چھوٹی ڈائری نکالی، اس کے ایک صفحے پر فون نمبر اور نام لکھے اور وہ صفحہ کھینچ کر ڈائری سے الگ کیا۔ دونوں چیزیں دوبارہ بیگ میں ڈال کر میز کے پاس آئی اور وہ چھوٹا صفحہ اسیر کے سامنے میز پر رکھ دیا۔

"یہ ڈاکٹر صاحب کا نمبر تم بھی سیو محفوظ کرلو۔" عبدالخالق نے کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے کارڈ لے لیا۔

"میں چلتا ہوں۔" اسیر نے میز سے پرچی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ایک بار پھر بہت شکریہ۔" عبدالخالق اس کے ساتھ باہر نکل گئے۔"

صائبہ نے کارڈ پر نظر ڈالی۔

ڈاکٹر اسیر زماں خان ایم ایس۔

نیچے دو موبائل فون نمبر درج تھے۔ اس نے کارڈ پلٹا۔ کہیں اسپتال کا نام اور فون نمبر نہیں لکھا تھا۔

☆☆☆

آج صبح سے ہی ہاجرہ کا مزاج بگڑا ہوا تھا۔ اب بھی اس کا دیا ناشتہ انہوں نے پھینک دیا۔ شکر تھا کہ سارا غصہ بنا آواز کے نکل رہا تھا۔

"ہاجرہ!" عبدالخالق کو بھی غصہ آگیا۔ "بچی دن رات تمہاری خدمت میں خوار ہوتی ہے، کچھ تو مروت کیا کرو، اس کی بھی ماں ہو تم....."

"ابو" اس نے ان کے قریب آکر شانے پر ہاتھ رکھا۔ "پلیز۔" اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں خاموش رہنے کی التجا کی۔ عبدالخالق کے لیے اسے یوں دیکھنا بھی ایک عذاب تھا۔ بیوی کی دیوانگی اور بیٹی پر اس کا عتاب، یہ دوہری اذیت بیس برسوں کی تھی۔

وہ فرش پر گرے اور ٹوٹے برتن اٹھا کر چلی گئی۔

کچھ دیر بعد عبدالخالق باورچی خانے میں آئے۔

"کچھ کھانے کو دے دو بیٹا! دوائیاں دینا ہیں۔"

اس نے دودھ کا گلاس اور ایک سیب کاٹ کر پلیٹ انھیں تھمائی۔ دونوں جانتے تھے، اب وہ اس کی پکائی ہوئی کوئی چیز نہیں کھائیں گی۔ ایسے وقت میں وہ بلا کی ضدی ہو جاتی تھیں۔ انھیں دوائیاں دینے کے بعد وہ ان کے سو جانے کی تسلی کر کے ہی گھر سے باہر نکلے۔

وہ کھانا بنا کر فارغ ہوئی تو نورن خالہ آگئیں۔ وہ انھیں تاکید کرتی نہانے چلی گئی۔ پانچ سات منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ نورن خالہ نے دھڑا دھڑ دروازہ بجانا شروع کیا۔

"صائبہ بی بی..... جلدی باہر آئیں، بڑی مالکن باہر چلی گئی ہیں....."

وہ جیسے تیسے باہر نکلی۔

"کیسے باہر چلی گئیں دروازہ تو بند تھا؟"

"میں کچرا باہر گلی کے کوڑا دان میں پھینکنے گئی تھی دروازہ کھلا ہی تھا..... واپس مڑ کر دیکھا تو وہ گلی میں اتنی دور چلی گئی تھیں، میں نے آواز دی تو مڑ کے دیکھا اور تیزی سے آگے بڑھ گئیں۔"

اس بار الجھن اور فکر کے ساتھ کہیں یہ اطمینان بھی تھا کہ وہ اسپتال ہی گئی ہوں گی۔ نورن خالہ کو صفائی کرتا چھوڑ اور دروازہ مقفل کر کے چابی پڑوس میں دینے کا کہہ کر وہ سیدھی اسپتال پہنچی۔

www.zemtime.com

"ڈاکٹر اسیر تو سرجری میں ہیں۔" اس کے استفسار پر استقبالیہ والی لڑکی نے انٹرکام پر بات کرنے کے بعد کہا۔

"آپ ویٹ کریں، کافی وقت ہوگیا ہے، کسی بھی وقت باہر آتے ہوں گے۔"

"کچھ دن پہلے جو لیڈی ان سے ملنے آئی تھیں، کیا وہ آج بھی آئی ہیں؟""

"ڈونٹ نو میم۔" اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

"میں ڈاکٹر اسیر کے کیبن کے باہر ویٹ کرتی ہوں۔" وہ اسے کہہ کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

اسے امید تھی ہاجرہ کیبن کے باہر ہی ہوں گی مگر وہاں پہنچ کر اسے مایوسی ہوئی۔ دروازہ کھول کر اندر جھانکا وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ وہیں انتظار کرنے کے بجائے اس نے سارا فلور دیکھ ڈالا۔ زیادہ تر ماہرین ڈاکٹر کی او پی ڈی کا وقت تھا اس لیے ہر کیبن کے باہر مریضوں کی بھیڑ تھی۔ لیکن ہاجرہ کہیں نہیں تھیں۔ دوسرے سرے کے آخری کیبن سے وہ واپسی کے لیے مڑی تب ہی سامنے لفٹ کا دروازہ کھلا۔ اسیر بہت فاصلے پر مگر سامنے تھا۔ اسے دیکھتے ہی اپنے کولیگ سے کچھ کہتا وہ لمبے ڈگ بھرتا اس کے پاس آیا۔

"امی پھر گھر پر نہیں ہیں۔" اس کے قریب آتے ہی اس نے کہا۔ "یہاں بھی سب جگہ دیکھ لیا، کہیں نہیں ہیں۔"

"میرے کیبن میں....."

"سارا فلور دیکھ لیا، کہیں نہیں ہیں۔" وہ بیگ سے فون نکال کر عبدالخالق کو کال کرنے لگی تھی۔

"کتنا وقت ہوا ہے؟"

"شاید چالیس پینتالیس منٹ۔"

"آپ کیبن میں ویٹ کریں، میں دیکھتا ہوں۔" وہ اسے کہہ کر تیزی سے چلا گیا۔

فون پر بات کرتے ہوئے وہ اس کے کیبن میں آئی۔ اسیر داخلی دروازے کا سی سی ٹی وی فوٹیج دیکھ کر واپس آیا تو وہ چھوٹی سی جگہ میں ٹہل رہی تھی۔

"وہ یہاں نہیں آئیں۔"

"پھر کہاں گئیں؟" اس کا چہرہ اس بری طرح متغیر ہوا کہ اسیر کو لگا، وہ غش کھا کر گر جائے گی۔

"آپ بیٹھ جائیں۔"

"نہیں۔" وہ باہر جانے لگی تھی۔

"میں بھی چلتا ہوں۔" اس نے ڈیسک کے اس طرف جا کر میز سے گاڑی کی چابی اٹھائی۔ اس نے سنا یا نہیں وہ سمجھ نہیں پایا کیوں کہ وہ باہر نکل گئی تھی۔ چیچ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ اپنے کولیگ کو فون کرتے ہوئے اس کے پیچھے تھا۔

"پلیز، میرے ساتھ آئیں۔" داخلی دروازے سے نکل کر پارکنگ کی سمت جاتے ہوئے اس نے صائبہ سے کہا۔

"ہوسکتا ہے، وہ کچھ دیر میں یہاں پہنچیں؟" صائبہ کو خیال آیا۔

"میں نے کہہ دیا ہے، ہمیں فوراً اطلاع مل جائے گی۔"

پھر تین گھنٹے گزر گئے مگر کوئی اطلاع ملی نہ ہاجرہ ملیں۔ گھر کے آس پاس دیکھا، رکشا اسٹینڈ پر جا کر تلاش کیا، اسپتال کے راستے میں ڈھونڈا مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ تایا جان کے گھر بھی سب کو خبر ہوگئی تھی۔ وہ اور ارباب بھی آگئے۔ عبدالخالق نے اقبال چوہدری کو بھی فون کر کے بلا لیا تھا اور ان کے مشورے پر اب پولیس اسٹیشن جانے اور ان کی تصویر اور اعلان کی باتیں ہونے لگی تھیں۔ وہ مسلسل روئے جا رہی تھی تب ہی اسیر کے فون پر اسپتال سے کال آئی کہ وہ وہاں ہیں۔ عبدالخالق، اقبال چوہدری اور تایا جان اسیر کے ساتھ انھیں لینے اسپتال گئے۔ وہ ان کے ساتھ بے حال سی گھر پہنچیں۔ انھیں کھانا کھلایا، کپڑے تبدیل کروائے اور دوائیاں دیں تو وہ سو گئیں۔

ان سے پوچھنے پر کوئی تسلی بخش جواب نہیں مل رہا تھا۔ اسپتال سے ہی تفصیل کا علم ہوا۔ رکشا والا انھیں کسی اور پرائیویٹ اسپتال میں چھوڑ آیا تھا جہاں

www.zemtime.com

وہ ڈاکٹر ثوبان کو پوچھتی رہیں۔ وہ نہ اپنا ایڈریس بتا رہی تھیں نہ کسی کا فون نمبر۔ ایک ہی رٹ تھی کہ ڈاکٹر ثوبان سے ملنا ہے۔

بہت دیر بعد کسی کو خیال آیا تو دیگر اسپتال اور کلینک میں فون کر کے ڈاکٹر ثوبان کا دریافت کرنے لگے اور آخر اسیر کے اسپتال سے جواب ملا کہ اس پیشنٹ کو یہاں بھیج دیں۔

جہاں انھیں دیکھ کر سکون ملا تھا وہیں ان کی اس نئی ضد اور حرکت نے حد درجہ تشویش بھی پیدا کر دی تھی۔ ارباب نے انھیں زیادہ دیر سلائے رکھنے کا مشورہ دیا۔

"وہ پہلے ہی انتہائی ڈوز پر ہیں، اس سے زیادہ نہیں کیا جا سکتا۔" اسیر نے کہا۔ وہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔

"مجھے یہاں آئے کچھ دن ہی ہوئے ہیں اور فی الحال میرا قیام ہاسپٹل کی طرف سے دی گئی ٹیمپرری آکوموڈیشن میں ہے لیکن مجھے جلد اپنے لیے رہائش کا انتظام کرنا ہے۔ اگر یہاں آس پاس کہیں کوئی کرایے کا مکان مل جائے تو میں ان سے روز ملنے آ سکتا ہوں، اس طرح وہ میری تلاش میں گھر سے باہر نہیں نکلیں گی۔"

"بیٹا! یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے آپ اتنا تردد نہ کریں۔" عبدالخالق نے کہا۔

"تردد کیسا انکل اور آنٹی کا یہ پرابلم میری وجہ سے ہی ہے۔"

"بالکل!" دروازے میں کھڑی صائبہ کے دل نے تائید کی۔ "سب کی طرح آپ بھی ہاتھ جھٹک دیتے تو یہ سب نہ ہوتا۔" اس نے سوچا۔

"باہر والا کمرہ کسی کے استعمال میں ہے؟" تایا جان نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہیں اس کمرے میں رہ سکتے ہیں، کیوں عبدالخالق؟"

"یہاں؟" اس کا پیشہ، رتبہ، حلیہ اعلا کی اعلیٰ کار کچھ بھی اس متوسط طبقے کے گلی محلے میں رہنے لائق نہ تھا۔

"کوئی مسئلہ ہے؟" تایا جان نے پوچھا۔

"مسئلہ انھیں ہوگا۔ یہ عام سا کمرہ اور....."

"مجھے یہاں رہنے میں کوئی مسئلہ نہیں انکل! مجھے کہیں تو رہنا ہے اور میرا زیادہ وقت ہاسپٹل میں گزرتا ہے، صرف ایک دن آف ہوتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ یہاں رہنے پر تیار تھا۔

تایا جان اور اسیر کے اصرار پر عبدالخالق کو ماننا پڑا۔

اور یوں وہ باورچی خانے کے سامنے والے کمرے میں منتقل ہو گیا۔ نورن خالہ سے وہ اس کی صفائی کروائی رہتی تھی اور فارن ریٹرن بیٹے اور شہری بیٹی کا سوچ کر عبدالخالق نے پہلے ہی اس کمرے کو ان کی ضروریات کے مطابق کر رکھا تھا۔

ہاجرہ کی خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ یوں تو وہ زیادہ تر دواؤں کے زیر اثر ہوتی تھیں۔ کم ہی بات کرتی تھیں پھر بھی بیٹے کی موجودگی نے ان پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ جس رات وہ دیر سے آتا اس کی اگلی صبح ناشتہ ہاجرہ کے ساتھ کرتا تھا۔ دوپہر کا کھانا اس نے کبھی گھر پر نہیں کھایا۔ کبھی کبھی رات کے کھانے پر وہ چاروں میز پر ہوتے تھے۔ ہاجرہ اس سے زیادہ بات نہیں کرتی تھیں مگر اس کی پلیٹ میں اپنے ہاتھ سے کھانا ڈالنا، وہ نہ ہو تو اس کا پوچھنا اور اس سے کب آئے گا، زیادہ کام نہ کرنے کی تاکید اور جلدی گھر آئے جیسے جملے ہی بولا کرتی تھیں۔ صائبہ کو کئی بار لگتا تھا اکثر انھیں اس سچ کا احساس رہتا ہے کہ وہ ثوبان نہیں ہے۔ اس کا اور اسیر کا آمنا سامنا کم ہی ہوتا تھا۔ عموماً اس کی سرجریز اتوار کے علاوہ روز صبح صبح ہوتی تھیں۔ او پی ڈی کے اوقات ہفتے میں دو دن ہی تھے۔ کبھی وہ شام میں گھر آ جاتا تو کبھی دیر رات کو۔

اسے ایک اطمینان تو تھا کہ اب ہاجرہ گھر سے باہر نہیں جائیں گی مگر اسیر کے یہاں رہنے سے بڑی

www.zemtime.com

بے آرامی بھی تھی۔ حالاں کہ ان کی آپس میں کوئی خاص بات بھی نہیں ہوتی تھی۔ اسیر پورا خیال رکھتا تھا وہ اس کے آنے سے پہلے جیسے رہتی تھی اس کے معمول میں خلل نہ پڑے۔ وہ کمرے میں ہوتا بھی تو عبدالخالق کے آنے یا ان کے آواز دینے اور بلانے پر ہی باہر نکلتا تھا۔ اس کی سرجریز اتوار کے علاوہ روز صبح صبح ہوتی تھیں۔ او پی ڈی کے اوقات ہفتہ میں دو دن ہی تھے۔ کبھی وہ شام میں گھر آجاتا، تو کبھی دیر رات کو۔

اسے ایک اطمینان تو تھا کہ اب ہاجرہ گھر سے باہر نہیں جائیں گی مگر اسیر کے یہاں رہنے سے بڑی بے آرامی بھی تھی۔ حالانکہ ان میں آپس میں کوئی خاص بات بھی نہیں ہوتی تھی۔ اسیر پورا خیال رکھتا تھا کہ وہ اس کے آنے سے پہلے جیسے رہتی تھی۔ اس کے معمول میں خلل نہ پڑے۔ ان سب کے باوجود صائبہ کو ہر لمحہ اس کی موجودگی کا خیال رہتا تھا۔

☆☆☆

اسیر جنسی سرجری کے بعد وہ رات دو بجے گھر پہنچا تھا۔ صحن کا دروازہ کھول کر اندر جاتے ہوئے ہال میں نظر پڑی۔ کھڑکی سے صوفے کے پیچھے سے پیر دکھائی دے رہے تھے۔ کسی انہونی کے خیال سے وہ تیزی سے ہال میں آیا۔ صائبہ دروازے کی طرف چہرہ کیے فرش پر سو رہی تھی۔ اس کا بایاں ہاتھ سامنے فرش پر پھیلا تھا۔ اسیر نے بیگ صوفے پر رکھا اور چابی جیب میں رکھتا قریب آیا پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد گھٹنے موڑ کر نیچے بیٹھ گیا۔ ہتھیلی کی پشت پر تخریب کاری کے نئے نشان دیکھ کر اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ سوتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر اداسی غالب تھی۔ جانے یہ اس کا معمول تھا یا آج ہی وہ یہاں سو گئی تھی۔ کچھ دیر اسے جگائے یا نہیں کی کشمکش کے بعد وہ کھڑا ہو گیا۔ اس گہری نیند کو توڑنا کسی صورت درست نہیں تھا۔ لائٹ بند کر کے نائٹ بلب لگانے اور اسے چادر اوڑھانے کا خیال بھی اس نے رد کر دیا۔ اپنے کمرے کا آرام چھوڑ کر اس طرح یہاں وہ جانے کس جذبے کی تسکین کے لیے آئی تھی۔ جو بھی تھا، اسے لگا اس راز میں کوئی اور بھی شریک ہو چکا ہے، یہ بات اسے اچھی نہیں لگے گی۔ وہ سب کچھ یونہی چھوڑ کر کمرے میں چلا گیا۔ اسے جو سوال پریشان کرتا تھا، اگلے دن اس نے عبدالخالق سے اس کا جواب پوچھ ہی لیا جو عین اس کے اندازے کے مطابق تھا۔

☆☆☆

وہ رات کو گھر آیا تو دروازے پر ہی ہاجرہ کی تیز آواز سنائی دی۔

"آپ اس سے کہہ دیں شکل نہ دکھایا کرے مجھے۔" کھانے کے بعد وہ ان کی دواؤں کا ڈبہ لے کر آئی تو وہ اچانک بگڑ گئی تھیں۔

"تم ابھی چلو اندر۔" وہ انھیں اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"آپ جانتے ہیں ناں یہی تھی وہ پھر کیوں اسے گھر میں رکھا ہے۔" وہ اٹھنے تیار نہیں تھیں۔

"ہاجرہ کمرے میں چلو، دیکھو دوائی کا وقت نکلا جا رہا ہے۔"

"پہلے آپ اسے کہیں یہاں سے جائے۔"

عبدالخالق نے بے بسی سے بیٹی کو دیکھا۔ جان سے پیاری بیٹی کے لیے اپنی بے بسی انھیں بہت شرمندہ کرتی تھی۔ وہ آنسو پیتی سست قدم سے دروازے کی سمت جانے لگی۔ ہاجرہ اٹھ گئیں۔ وہ اسے لیے کمرے میں چلے گئے۔ دروازے سے باہر نکلتے ہی وہ اسے دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

"تنہا ذلیل ہونا زیادہ آسان ہے۔" اس نے سوچا۔

اسیر کچھ کہتا اس سے پہلے وہ واپس دروازے سے اندر چلی گئی۔ ہال اب خالی تھا۔ وہ بھی اپنے کمرے میں چلا گیا۔

عبدالخالق فجر پڑھ کے آنے کے بعد پھر سو جاتے تھے۔ وہ ان کے کمرے میں جاتے ہی دبے پاؤں باہر نکل گئی۔ جب گھر میں دم گھٹنے لگتا تھا تو وہ

www.zemtime.com

فیکٹری کے پیچھے والے پرانے راستے پر آتی تھی جو اب زیر استعمال نہیں تھا اس لیے سنسان ہوتا تھا۔ گلیوں کے بیچ اس نے یہاں کا شارٹ کٹ تلاش کر لیا تھا۔ گھر سے نکل کر کھلے آسمان کے نیچے کچھ دیر سانسیں بحال کر کے وہ آگے کا بوجھ ڈھونے کو تازہ دم ہو جاتی تھی۔ اس کے کچھ دیر بعد جاگنگ کے لیے باہر نکلے اسیر نے اسے پیچھے سے پہچان لیا تھا۔

"اتنی صبح کہاں؟" اسے گزشتہ رات کا واقعہ یاد آیا۔ وہ دبے قدموں سے اس کے پیچھے ہولیا۔ وہ تنگ سی گلیوں سے گزر کر قدرتے سنسان حصے میں ذرا دور چل کر اس راستے تک پہنچی تھی۔ آگے جانے کے بجائے دائیں مڑ کر وہ پیپل کے گھنے پیڑ کے نیچے پڑے پتھروں پر بیٹھ گئی۔ صبح کاذب کا اجالا پھیلا تھا۔ سب کچھ دھندلا سا تھا۔ فضا میں دن کی ابتدائی مہک بکھری تھی۔ وہ اس کی طرف سے کسی انتہائی قدم یا حرکت کا منتظر تھا مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ کچھ دیر کے بعد وہ وہاں سے اٹھ گئی۔ وہ اسے خبر کیے بغیر واپس گھر تک اس کے پیچھے آیا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر چلی گئی تب وہ اپنے جاگنگ والے راستے پر ہولیا۔

☆☆☆

تائی امی اپنی بیٹی زینت کے ہمراہ ملنے آئی تھیں۔ وہ اس سے چند ماہ بڑی تھی۔ جب بھی میکے آتی، ملنے ضرور آتی تھی۔ آج وہ اپنے ڈھائی سالہ شرارتی بیٹے کو گھر ہی چھوڑ آئی تھی۔ اتوار تھا اس لیے عبدالخالق اور اسیر بھی گھر میں تھے۔

"چاچا جان! میری نند اپنے دیور کے لیے لڑکی کی تلاش میں ہے۔" کھانے کے بعد ہاجرہ کی دواؤں کا وقت ہو گیا تھا سو وہ انھیں لے کر کمرے میں جا رہی تھی تب پیچھے سے زینت کی آواز آئی۔

"آپ کی اجازت ہو تو میں انھیں صائبہ کے لیے یہاں بلاؤں۔" عبدالخالق کو اس قسم کے سوال کا جواب کا دینا ہمیشہ مشکل لگتا تھا۔

"جب تک صائبہ شادی کے لیے رضامند نہیں ہو جاتی کسی کا بھی آنا سود مند نہیں ہوگا زینت بیٹا۔"

"کب تک اس پر چھوڑے رہیں گے؟ آپ خود ہی فیصلہ سنا دیں کہ اس سال یا آئندہ سال شادی کرنا ہے پھر آنے والے رشتوں میں جو اسے پسند ہو وہاں کر دیں۔"

"میں اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا نہ ہی چاہتا ہوں، وہ میرے زور دینے پر زبردستی کوئی فیصلہ کرے۔"

"چاچا جان! میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں مگر آپ یہ بھی تو سوچیں، وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔"

"وہ شاید ہاجرہ اور آپ کے تنہا رہ جانے کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی ہو۔"

تائی نے کہا تو خیر خواہی کی یہ کوشش عبدالخالق کے شانے مزید جھکا گئی۔ بیٹی کو ہنستے مسکراتے دیکھنے کا خواہش مند باپ اس کی اداسی کے پیچھے اپنا چہرہ دیکھ کر کس خارزار سے گزرتا ہے، یہ دوسرے نہیں سمجھ سکتے۔

آپ کہیں تو میں بات کروں اس سے؟"

"ہمم۔" پرسوچ انداز میں انہوں نے سر ہلایا۔

وہ ہاجرہ کے سو جانے کے بعد واپس آئی تو زینت اسے لے کر صحن میں آ گئی۔ اسے اندازہ تھا، وہ اسے کیوں باہر لائی ہے۔

"کچن میں چلو، وہاں بات کرتے ہیں، میرا کام بھی ہو جائے گا۔" اسے اسیر کی موجودگی کا خیال تھا۔ زینت کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ اسے بھی پیچھے جانا پڑا۔

"میں گول مول بات نہیں کروں گی صائبہ۔" زینت اکلوتا اسٹول کھینچ کر اس پر بیٹھ گئی۔

"تم کچھ مہینے ہی چھوٹی ہو مجھ سے اور ساری کزنز میں تم ہی بچی ہو، شادی کے لیے چاچا جان تمہاری رضامندی کے لیے رکے ہیں تو بتاؤ، تم کیوں اب تک نا کر رہی ہو؟" وہ اس کی سمت پشت کیے تھی۔

www.zemtime.com

"کچھ بھی چھپا نہیں ہے تم سے، امی کی حالت سامنے ہے، ابو ظاہر نہیں کرتے مگر وہ جسمانی، جذباتی اور ذہنی طور پر بہت کمزور ہو گئے ہیں، ایسے میں انھیں کیسے چھوڑ دوں؟"

"چھوڑنے کا کون کہہ رہا ہے، چاچا جان اور چاچی جان نعمان بھائی یا لائبہ باجی کے پاس کراچی چلے جائیں گے۔"

"وہ یہ گھر اور شہر کبھی نہیں چھوڑیں گے۔" وہ جانتی تھی وہ دونوں یہ گھر کبھی نہیں چھوڑیں گے کہ کسی دن ثوبان لوٹا تو اسے یہ در کھلا ملنا چاہیے۔

"حالات کے ساتھ سب کو سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔"

"میں نے بھی وہی کیا ہے زینت! اس لیے تم میری شادی پر زور نہ دو۔" اس نے پلٹ کر مضبوط لہجے میں کہا۔

"صائبہ! تم کب تک اس واقعے کو دل سے لگائے بیٹھی رہو گی؟ سب آگے بڑھ گئے ہیں، تم بھی سب بھول کر آگے بڑھو، لائبہ باجی اور نعمان بھائی نے کیسے اپنی زندگی سنوار لی، تم بھی کرو، تم بچی تھیں اس وقت۔ ناسمجھ نادان، وہ سب انجانے میں ہوا تھا۔"

یہ الزام لوگوں کو تسلی لگتا تھا اور وہ چاہتے تھے کی ان کی تسلیاں اسے سکون دیں، وہ یہ سن کر آگے بڑھ جائے مگر ہر بار ان کے الفاظ اس کی اذیت میں اضافہ ہی کرتے تھے جیسے اس وقت زینت کے جملے کٹ کٹ کر کے اس کے ٹانکے ادھیڑ گئے تھے۔ اس نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ رخ موڑ لیا۔

اس نے چائے چڑھائی، تب تک زینت اس کی خاموشی کو 'بات اثر کر رہی' والی چپ سمجھ کر مزید سمجھاتی رہی اور اس کی باتیں صائبہ کے ناخنوں کا کام انجام دیتی رہیں۔ وہ خالی کپ ٹرے میں رکھ رہی تھی تب تائی نے ہال کے دروازے سے گھبرائی سی آواز لگائی۔

"زینت! معیز سیڑھیوں سے گر گیا ہے۔"

زینت جملہ ادھورا چھوڑ باہر بھاگی۔

فون پر بات کرتے ہی وہ دونوں فوراً گھر جانے تیار ہو گئیں۔ ارباب بھائی اسے قریبی کلینک لے جا رہے تھے۔

"میں بھی چلتا ہوں۔" عبدالخالق کو گھبرائی پریشان دو خواتین کو تنہا بھیجنا مناسب نہیں لگا۔

ان کے جانے کے بعد وہ واپس باورچی خانے میں آئی۔ وہ چولہا بند کرنا بھول گئی تھی اور اب پک پک کر چائے نصف رہ گئی تھی۔ زینت کے جملے اب بھی اس کے آس پاس گونج رہے تھے۔ وہ سلیب کے کنارے پر ہاتھ رکھے کھول کھول کر رنگت بدل چکی چائے پر نظر جمائے کھڑی تھی۔ کمرے سے باہر نکل رہا اسیر ٹھٹھک کر دروازے میں ہی رک گیا۔ وہ پھر بے خیالی میں بائیں ہتھیلی کی پشت کرید رہی تھی۔ اچانک اس نے ہاتھ روکا اور چائے کے برتن کا ہینڈل تھاما۔ اسیر کا دل چاہا آواز دے کر اسے متوجہ کرے مگر وہ کچھ کرتا، اس سے پہلے وہ ساس پین کا ہینڈل اٹھا کر سنک کی طرف بڑھی اور اس کا اگلا عمل ذہن میں آتے ہی اسیر پلک جھپکتے ہی باورچی خانے میں آ کر چیخا۔

"اسٹاپ!" مگر دیر ہو چکی تھی۔ وہ کھولتی چائے بائیں ہاتھ پر انڈیل رہی تھی۔ اسیر نے ساس پین چھین کر سنک میں پھینکا اور کلائی پکڑ کر ہاتھ نلکے کے نیچے کر کے پانی ڈالنا شروع کیا۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نہیں تھے لیکن آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

"یہ ہاتھ ڈاکٹر کے ہاتھ میں ہے۔" اسیر نے سنجیدگی سے کہا۔ نلکا اور چولہا بند کیا اور یونہی اس کی کلائی تھامے اپنے کمرے میں آیا۔

"بیٹھیں۔" کمرے کی اکلوتی کرسی کے قریب لا کر اسے حکم دیا۔ وہ بیٹھ گئی۔

اسیر نے اس کا ہاتھ اب بھی نہیں چھوڑا تھا۔ اسے ڈر تھا وہ پھر کھرچنے لگے گی۔ میز پر ہی فرسٹ ایڈ باکس رکھا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے باکس اٹھایا

www.zemtime.com

اور نیچے موڑ کر فرش پر بیٹھ گیا۔ وہ سر جھکائے آنسو بہاتی خاموشی سے اس طبیب کی حرکتیں دیکھ رہی تھی۔ زخم خشک کرنے کے بعد اس نے ہتھیلی اسی کے زانو پر رکھی پھر کوئی آئنمینٹ سرخ جلے حصے پر پھیلایا۔ وہ زخم ہی نہیں پوری ہتھیلی کی پشت متاثر ہوئی تھی۔ شکر تھا اس وقت اس کے پاس سلور سلفاڈائزین آئنمنٹ تھا مگر فائن میش گاز نہیں تھا۔ زخم پر ویسے اس کی ضرورت نہیں تھی لیکن کچھ بعید نہ تھا اس کا ہاتھ پھر وہاں تک پہنچ جاتا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر سر جھکائے بیٹھی صائبہ دیکھا۔

"آپ مجھے یقین دلائیں اس زخم کو چھوئیں گی نہیں۔"

اس نے جواب دینے کے بجائے دائیں ہاتھ سے گال خشک کیے اور بایاں ہاتھ زانو سے اٹھانا چاہا۔ اسیر نے پھر اس کی کلائی پر ہاتھ رکھا۔

"ورنہ مجھے ابھی آپ کو ہاسپٹل لے جا کر اس کے ٹھیک ہونے تک وہاں ایڈمٹ کرنا پڑے گا۔" وہ سنجیدہ تھا۔ وہ اب بھی چپ رہی۔ خود کو روکتے روکتے بھی وہ پوچھ بیٹھا۔

"کیوں کیا آپ نے ایسا؟" وہ چند ثانیے اسے دیکھتی رہی پھر اچانک آنکھوں پر ہتھیلی رکھ کر رونے لگی۔ کچھ دیر بعد اس نے پکارا۔

"صائبہ!" اس نے سنبھل کر آنسو روکے اور ہتھیلی آنکھوں سے ہٹائی۔ وہ اس سے کھل کر بات کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

"ابو سے مت کہیے گا پلیز۔" اس نے التجا کی۔

"بیان سے چھپ نہیں سکے گا۔" اسیر نے اس کی کلائی سے ہاتھ ہٹا لیا۔ "آپ کچھ دن کلام بھی نہیں کر سکیں گی۔"

اس نے زانو پر دھری ہتھیلی کی پشت کو دیکھا۔

"میں کہوں گی، غلطی سے گرم پانی گر گیا تھا، آپ بھی یہ ہی یاد رکھیں۔" اس کی نئی فکر بھانپ کر اسیر نے بات کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

"ایک شرط پر۔" اس نے میز پر رکھے بیگ سے دوائی کی اسٹریپ نکالی۔ "آپ کو آئنمنٹ کے ساتھ دو وقت میڈیسن لینا ہوگی۔ ایک یہ ٹیبلیٹ اور مزید دو ٹیبلیٹس جو فی الحال میرے پاس نہیں ہیں، میں بعد میں دیتا ہوں۔"

اس نے اسٹریپ اس کے سامنے کی مگر وہ فوراً ہاتھ بڑھا کر لے نہیں سکی۔ وہ اس توجہ اور خیال کے قابل تو نہیں تھی۔ درد اور تکلیف میں تخفیف بھی اس کا مقصد نہیں رہا تھا۔ یہ تو اسے زندہ ہونے کا احساس دلاتے تھے، سزا جاری رہنے کا احساس۔

"پھر میں انکل سے سچ کہہ دیتا ہوں۔" اس نے ہاتھ پیچھے کیا۔

"نہیں....." صائبہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے اسٹریپ لے لی۔

"میں ساری میڈیسن لوں گی۔" وہ کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"گڈ۔" اسیر نے آئنمنٹ اٹھا کر اس کی سمت بڑھایا۔ اس نے لے لیا اور کچھ کہے بغیر چلی گئی۔ وہ پیچھے میز سے ٹیک لگائے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس کا پہلے والی غلطی دہرانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

☆☆☆

عبدالخالق دو ڈھائی گھنٹے بعد واپس آئے۔ معیز کو سر میں دو ٹانکے لگے تھے۔ اسے ایک ہاتھ سے کام کرتے دیکھ کر انہوں نے پوچھا اور اس نے طے شدہ جھوٹی وجہ بیان کر دی۔

کچھ لگایا اس پر؟

"جی! ڈاکٹر صاحب نے دوائی اور آئنمنٹ دیا ہے۔"

رات کھانے کی میز پر اس نے قصداً بقیہ دوائیاں عبدالخالق کے سامنے اسے دیں۔

"تینوں ٹیبلیٹس دو ٹائم لینا ہیں اور آئنمنٹ چار پانچ بار لگائیں، اسے گیلا کریں نہ اس ہاتھ سے کوئی کام کریں۔"

"دھیان سے کام کیا کرو۔" ہاجرہ نے کہا۔

www.zemtime.com

آپ نورن کو فون کر دیں، اس کا ہاتھ ٹھیک ہوتا ہے تب تک وہ کھانا بھی بنا دیا کرے گی۔" انھیں بیٹے کی فکر لاحق ہوئی تھی۔ صائبہ کام نہیں کرے گی تو اسے وقت پر سب کچھ کیسے ملے گا۔

"میں نے کر دیا ہے انھیں فون۔" صائبہ نے کہا۔

"ہمم۔ توجہ سے کام کیا کرو۔"

"جی۔" اس کے لیے یہ ہی خوشی کی بات تھی کہ اسیر کی آمد کے بعد سے وہ اس سے کبھی کبھار ایسے معمول کے انداز میں بات کر لیا کرتی تھیں۔

☆☆☆

نورن خالہ اسیر کے کمرے کی صفائی کے بعد ہر دو دن میں مشین میں اس کے کپڑے دھویا کرتی اور وہی اس کے کمرے میں رکھ بھی آتی تھی۔ روز کی طرح نورن خالہ بقیہ دھلے کپڑے تار سے اتار کر صوفے پر ڈھیر کر گئی تھیں۔ سہ پہر کو کپڑے تہہ کرتے ہوئے ان میں اسے اسیر کے کمرے کے دو نوں تولیے بھی ملے۔

"نورن خالہ یہ بھول گئیں۔" اس نے کھڑکی سے اس کے کمرے کے کھلے دروازے کی سمت دیکھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا۔

"ہو سکتا ہے انھیں اس وقت ان کی ضرورت ہو۔" وہ دونوں تولیے لیے اس کے دروازے تک آئی۔ وہ پلنگ پر بیٹھا فون پر کسی سے انگریزی میں بات کر رہا تھا، جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔

"مجھے آپی نے بتایا تھا، مبارک ہو!" وہ دروازے میں ہی رک گئی۔ وہ دوسری طرف کی سن کر بہت نرمی سے جواب دے رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ ہلکے سے ہنسا۔ "کارڈ کے بنا بھی شادی میں شریک ہو سکتا ہوں، ویسے کہاں جا رہی ہیں شادی کے بعد؟"

"بہت دور جا رہی ہیں۔"

"اگر مصروفیت نے اجازت دی تو ضرور شریک ہوں گا۔"

"نہیں، ایسی بات نہیں۔ میرے میجر محسن ڈاکٹر ربانی نے کہا تھا یہاں جرنل سرجن کی اشد ضرورت ہے، کچھ مہینے کی بات ہے۔"

"میں ناراض نہیں سبرینہ! میں چاہتا ہوں آپ، میں اور ہم سب ماضی بھول کر خوش رہیں۔"

"کچھ تعلقات کی عمر بہت مختصر ہوتی ہے، یہ بھی ایسا ہی تعلق تھا۔"

"میں واقعی خوش ہوں کہ آپ نے شادی کا فیصلہ کیا۔"

"بہت دعائیں اور نیک تمنائیں۔" وہ اچانک کھڑا ہو کر پلٹا۔ صائبہ کو وہاں سے ہٹنے اور چھپنے کا موقع نہیں ملا۔

"خیال رکھیے گا، بائے۔" اس نے فون بند کیا اور دروازے کے پاس آیا۔

"نورن خالہ یہ بھول گئی تھیں۔" اس نے دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھے تولیے آگے کیے۔

"آپ کا ہاتھ کیسا ہے اب؟" اس کی بائیں ہتھیلی اوپر تھی۔ اسیر نے تولیے لے لیے۔

"ٹھیک ہے۔"

"میڈیسن پابندی سے لے رہی ہیں؟"

"کل بھول گئی تھی۔" اس نے جھوٹ نہیں بولا۔

"میں سخت قسم کا ڈاکٹر نہیں اور آپ بہت لاپروا پیشنٹ، کیسے مینج ہو گا ٹریٹمنٹ؟"

"یہ اچھا ہو گیا ہے۔" اس نے ہتھیلی دوپٹے میں چھپائی۔

"یہ ڈاکٹر طے کرتا ہے، پیشنٹ نہیں۔" وہ پہلی بار نروس لگ رہی تھی۔

"دکھائیں۔" اس نے حکم دیا۔ صائبہ نے ذرا سے تعرض کے بعد ہاتھ آگے کیا۔ بے ترتیب اور ناہموار کناروں والا دو ڈھائی انچ کا وہ دائرہ نما سا حصہ اس کے صاف گندمی رنگ سے زیادہ گہرا تھا۔ ہتھیلی کی پشت کا یہ حصہ ناخن سے بار بار کھرچنے، کریدنے اور خون رسنے والے زخم کو ہمیشہ ہرا رکھنے کی ساری کوششوں کا کامیاب ثبوت تھا۔ جس پر گرم

www.zemtime.com

چائے نے مزید ستم ڈھایا تھا۔ آبلے نہیں بنے تھے مگر زخم ابھی بھی مکمل خشک نہیں ہوا تھا۔

"یہ ابھی ٹھیک نہیں ہوا ہے۔" اس نے ہاتھ نیچے کرلیا۔

"میں میڈیسن کا وقت یاد دلانے آپ کو کال کروں یا آپ صبح شام میرے سامنے میڈیسن لیں گی؟" وہ سر اونچا کر کے اسے دیکھنے لگی۔ یہ سب اتنا ضروری کب سے ہو گیا تھا؟ پھر اسے یاد آیا اس نے کہا تھا یہ ہاتھ ڈاکٹر کے ہاتھ میں ہے۔

"میں خود ہی وقت پر لے لوں گی۔"

اسے اس یقین دہانی پر یقین نہیں آیا تھا مگر اس نے مزید کچھ نہیں کہا۔

"اوکے۔"

وہ پلٹ کر ہال میں آگئی۔ "سبرینہ۔" اس نے دل میں دہرایا۔ "خوبصورت نام ہے۔"

☆☆☆

صبح ہال میں آئی تو وہ میز پر اخبار پھیلائے بیٹھا تھا۔ اس نے کافی کا مگ میز پر رکھا۔

"تھینک یو۔" اس نے اخبار ایک طرف کر کے مگ اٹھا لیا۔ وہ جانے لگی تھی کہ اس نے پکارا۔

"صابئہ!" وہ انگلیاں مروڑتی اسے دیکھنے لگی۔

"بیٹھیں۔" وہ جھجکتے ہوئے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"باقی باتوں کے لیے میں آپ سے گزارش ہی کرسکتا ہوں مگر ایز اے ڈاکٹر اس ہاتھ کے لیے آپ کو حکم دینے کا اختیار رکھتا ہوں۔" اس نے ہاتھ پھر دوپٹے کے اندر کرلیا۔ وہ پابندی سے ہاتھ کی پروگریس دیکھتا تھا اس لیے وہ بھی خیال رکھنے لگی تھی۔

"اب یہ ٹھیک ہے۔"

"جب تک یہ ڈارک سپاٹ باقی ہاتھ جیسا نہیں ہوجاتا، اسے ٹھیک نہیں کہا جاسکتا۔" وہ جو کہہ رہا تھا، وہ ناممکن تھا۔

"ڈاکٹرز کو وعدہ لے کر ٹریٹمنٹ کی اجازت ہوتی تو میں آپ سے وعدہ لے لیتا۔" وہ سر جھکا گئی۔

"یہ میڈیسن اور آئنٹمنٹ سے نہیں آپ کی قوت ارادی سے ہی مٹ سکتا ہے۔"

"اور مجھے اپنی قوت ارادی پر بھروسا نہیں۔" وہ اسے ایک ناکام مشقت سے باز رکھنا چاہ رہی تھی۔

"پھر آپ وعدہ کرلیں۔" وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر آہستہ سے کہا۔

"میں کوشش کروں گی۔"

"گڈ۔" وہ اٹھ کر جانے لگی تھی کہ اسیر نے کہا۔

"آپ کافی اچھی بناتی ہیں۔" اس بالکل نئی بات پر وہ اسے دیکھنے لگی۔ وہ مسکرا رہا تھا اور اس دل فریب مسکراہٹ میں کوئی نئی بات تھی۔

☆☆☆

صبح والی دو سرجریز اناستھیٹسٹ کی عدم دستیابی کی وجہ سے کینسل ہو گئی تھیں، اس لیے وہ صبح سے ہاجرہ کے ساتھ ناشتے کی میز پر موجود تھا اور وہ بے انتہا خوش تھیں۔ وہ روز صبح صرف کافی پی کر جاتا تھا اور اس وقت اسے گھی والا پراٹھا اور آملیٹ کھلانے کے بعد ہاجرہ نے چائے کے مگ کے ساتھ دوسرا پراٹھا بھی اس کے آگے کیا تو اسے اس پر ترس آگیا۔

"امی! انھیں پراٹھے نہیں پسند۔" وہ مدد کو آگے آئی۔ ایک پراٹھا اس نے مروت میں کھا لیا ہوگا مگر اب دوسرا ظلم ہوگا۔

"تمھیں کہاں ثوبان کی پسند کا علم ہے۔" انھوں نے برہمی سے گھورا پھر اس کی سمت دیکھ کر بڑے پیار سے کہا۔ "تم کھاؤ بیٹا۔"

وہ ایک اجنبی کو اپنا بیٹا مان چکی تھیں پھر بھی انھیں اس کا قصور، اس کا گناہ کیوں نہیں بھولتا تھا؟ اس سے لگاوٹ اور شفقت سے بات کرتے ہوئے جب وہ اس سے لاتعلقی اور ناگواری سے بات کرتیں تو اسے بہت دکھ ہوتا تھا اور یہ اذیت پچھلی ساری تکالیف پر بھاری محسوس ہوتی تھی۔

www.zemtime.com

"امی یہ....."

"تم جاؤ کچن دیکھو۔" انہوں نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔ اسیر نے بے بسی سے اسے دیکھا جس کی آنکھیں ایک دم لبالب ہوگئی تھیں۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ یہاں رہنے کے فیصلے کے پیچھے اس گھر کے مکینوں کو تھوڑی آسانیاں اور کچھ سکون دینا اس کا مقصد تھا۔ ذرا دیر پہلے والی صورت حال کا اس نے تصور نہیں کیا تھا۔ اس نے بمشکل چائے اور پراٹھا ختم کیا اور ان سے اجازت لے کر کھڑا ہوگیا۔

"آج پھر شام میں دیر مت کرنا۔" انہوں نے ماؤں والے حق سے تنبیہ کی۔

"جی کوشش کروں گا۔" اس نے سعادت مندی سے کہا۔ ہال سے نکلتے ہوئے اس نے دائیں طرف دیکھا۔ وہ سنک کے قریب کھڑی برتن دھو رہی تھی۔ حالاں کہ اس کام کے لیے کچھ دیر بعد نورن خالہ آنے والی تھیں۔

پورا دن اس کی بھری آنکھیں اس کے ساتھ تھیں۔

شام میں عبدالخالق کے آنے کے بعد وہ ضروری سامان لینے کے بہانے گھر سے باہر نکلی۔ گھر سے دو تین گلیاں پار کرنے کے بعد اس کا رخ فیکٹری کے پیچھے والے راستے کی طرف تھا۔ اسے دل کھول کر رونے کے لیے بھی اتنی مشقت کرنا پڑتی تھی۔ دائیں طرف اپنے مخصوص پیڑ کی سمت بڑھتے ہوئے وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔ سامنے دیکھی بھالی سفید کار کھڑی تھی اور قریب ہی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسیر ٹہل رہا تھا۔ اس کا دل کیا فوراً پلٹ جائے مگر تب تک وہ اسے دیکھ چکا تھا۔ اسیر نے سیاہ چشمہ آنکھوں سے ہٹایا۔ دونوں اپنی جگہ خاموش کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"گرمی بہت ہے، اندر بیٹھیے؟" فاصلہ زیادہ تھا بالآخر اسیر نے اونچی آواز میں کہا اور اگلا دروازہ کھولا۔

یہ اتفاق نہیں تھا، وہ کس ارادے سے آیا تھا۔

صائبہ سوچتے ہوئے آگے آئی اور اگلی نشست پر بیٹھ گئی۔ دروازہ بند کر کے دوسری سمت سے وہ بھی اندر آیا۔ وہ ہینڈ بیگ گود میں رکھے ہاتھ اس پر جمائے بیٹھی تھی۔

"صبح کے لیے سوری۔ آپ اتنا نہ سوچا کریں، دو پراٹھے کبھی کبھار کھا سکتا ہوں۔" اس نے ماحول بدلنے کے لیے بشاشت سے کہا۔

"آپ کبھی اتنا نہ سوچیں۔" اس نے سر جھکا کے کہا۔

"آپ کیوں اب تک خود کو بلیم کرتی ہیں؟" اس کی خاموشی پر کچھ دیر چپ رہنے کے بعد اسیر نے پوچھا۔ سب کی طرح اس نے 'اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں۔' جیسی تسلی سے ابتدا نہیں کی تھی۔ غیر ارادتاً ہی اوپر رکھے دائیں ہاتھ کے ناخن بائیں ہتھیلی پر متحرک ہوئے اور اسیر نے اسے روکنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"پلیز....." اس کے ہاتھ کے قریب پہنچ کر اس نے اپنا ہاتھ روکا۔ صائبہ نے دونوں ہاتھ دوپٹے کے اندر کر لیے۔

اسے سخت جواب دے کر وہاں سے چلے جانے کا خیال آیا، اس کی ان کے گھریلو معاملات میں دخل اندازی اور دلچسپی کی وجہ پوچھنے کا دل کیا، وہ اسے اس کے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتا سوال ابھرا، غصہ آنے لگا، کوفت نے گھیرا، جھنجھلاہٹ سوار ہوئی۔ سوچ کے ساتھ ساتھ بدلتے تاثرات کے ساتھ وہ اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

"صائبہ!" اسیر نے دھیرے سے پکار کر اس کی محویت توڑنا چاہی اور وہ ایک دم رونے لگی۔ گھر سے یہاں پہنچنے تک وہ ان کو بہلاتی آرہی تھی کہ اپنے مقام پر پہنچ کر بہنا اور یہ ان کے بے قابو ہونے کا ہی مقام تھا۔

"کیوں خود کو بلیم نہ کروں؟ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑا تھا، میری نہیں تو کس کی غلطی ہے؟ اس نے نہیں کہا تھا میں لے گئی اسے وہاں، میری ذمہ داری

www.zemtime.com

تھا وہ، اس بھیڑ میں' میں نے تنہا چھوڑا تھا اسے اور آپ پوچھ رہے ہیں، کیوں خود کو ہلیم کرتی ہوں، کیوں نہ کروں؟ میرا نہیں تو کس کا قصور ہے؟" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کسی کا نہیں، کسی کی غلطی نہیں تھی، کسی کا قصور نہیں ہے۔"

"یہ ہاتھ میں نے کھینچا تھا....." اس نے اپنا ہاتھ سامنے کیا۔ "اس نے نہیں چھڑایا تھا، مجھے اس کے ساتھ سے زیادہ اپنی سہیلیوں کی پروا تھی، مجھے اس کی فکر کے بجائے کھانے کا لالچ تھا، غافل میں ہوئی تھی، امی کی جتائی بات میں بھول گئی تھی....."

"آپ چھ سال کی بچی تھیں، آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو شاید یہی سب کرتا، میں بھی وہی سب کرتا جو آپ نے کیا، ہونی کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ ثوبان اور آپ سب کا ساتھ اتنا ہی تھا تو کوئی اور حادثہ بھی بہانا بن سکتا تھا۔"

"کوئی اور نہیں ناں، وہ میں ہوں....." اس نے اس درد بھری عاجزی سے کہا کہ اسیر کا دل سکڑا۔

"آپ بس بہانا تھیں جو کوئی بھی ہو سکتا تھا، آپ اس حادثے کی مجرم نہیں اس لیے یہ خود ساختہ سزا ختم کریں۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

کیسے؟" آنسوؤں کے درمیان اس نے مشکل سے ایک لفظ کہا۔

"خود کو یقین دلائیں کہ آپ بھی اس حادثے کی وکٹم ہیں، پیچھے رہ جانے والے بچھڑ جانے والوں جتنا — ہی سہتے ہیں، بچھڑنے والے سب چھوڑ جاتے ہیں اور رہ جانے والوں کے لیے ان کے بنا سب چھوٹ جاتا ہے۔" اتنے سالوں میں یہ اس نے پہلی بار سنا تھا۔

"میں خود کو یقین دلا بھی دوں تو ثوبان..... ثوبان کا خیال....." اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ میری بے قراری، میری بے چینی کا آپ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے، کیا کیا خیال آتے ہیں اور پھر یہ خیال کہ ایسا ہی سب کچھ امی ابو بھی سوچ رہے ہوں گے' مر جانے کا دل کرتا ہے لیکن انھیں تنہا کرنے کا خیال مرنے نہیں دیتا"

اس کی آواز حلق اور آنکھوں میں، آنسوؤں کی زیادتی کے سبب پھنس سی گئی تھی۔ وہ رک کر ذرا سنبھلی۔

"اس لیے آپ ہمارے حالات اور اذیت کو سمجھتے ہیں، یہ غلط فہمی دور کر لیں۔" اس نے زندگی میں پہلی بار اتنی سخت اور دو ٹوک بات کی تھی۔

دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر کر اس نے رخ کھڑکی کی سمت کر لیا۔ اسیر بھی ایک گہری سانس خارج کر کے بند کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ ایک لمبی خاموشی کے بعد اسیر نے پھر اس کی سمت دیکھا۔

"کیسے خیال آتے ہیں؟"

اس نے فوراً کچھ نہیں کہا لیکن کچھ دیر بعد کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہنا شروع کیا۔

"کہاں ہوگا اس وقت ثوبان، اس کے ساتھ کیا ہوا ہوگا، پانچ سال کا وہ معصوم کس کے ہتھے چڑھا ہوگا، کتنا رویا ہوگا وہ، جانے کب تک بھٹکتا رہا ہوگا، کتنا ڈرا ہوا ہوگا وہ، کتنا یاد کیا ہوگا اس نے ہم سب کو، بہت چیخا چلایا ہوگا، کسی نے اس کی آواز سنی بھی ہوگی یا نہیں، اسے بھی اندھیرے سے ڈر لگتا تھا، کسی نے اس کی مدد کی ہوگی یا نہیں، ہماری طرح پھر کس نے پیار کیا ہوگا اس سے....." وہ پھر رونے لگی تھی۔

"چلتے چلتے اس کی چپلیں ٹوٹ گئی ہوں گی، ہمت جواب دے گئی ہوگی، جانے کتنے دن تک وہ بھوکا ہوگا، اسے کسی نے پانی بھی دیا ہوگا یا نہیں، اسے غلط لوگوں نے پکڑا ہوگا تو کیسے ظلم ڈھائے ہوں گے اس پر، کیا وہ اس سے بھیک منگوا رہے ہوں گے..... اس کے لیے تو وہ ہاتھ پیر توڑ دیتے ہیں، اندھا بہرا بنا دیتے ہیں..... وہ کسی سگنل یا فٹ پاتھ پر کھلے آسمان تلے زندگی گزار رہا ہوگا تو....."

اس کی آواز میں درد سے دراڑیں پڑ رہی تھیں، آنسو بار بار راستہ روک رہے تھے مگر وہ رک نہیں رہی

www.zemtime.com

تھی۔

"کچھ مزدوری کے لیے بیچ دیتے ہیں، کتنے دام لگے ہوگے امی ابو کے جگر کے ٹکڑے کے، اس کے معصوم اور ننھے ننھے ہاتھ بوجھ اٹھانے کے لیے تو نہیں تھے، کیا اب بھی وہ کسی کا غلام ہوگا، مالک کی مرضی سے اٹھنے بیٹھنے والا نوکر ہوگا..... یا اسے چائلڈ ٹرافکنگ والوں نے اٹھایا تھا وہ تو بچوں سے....." اس نے گردن موڑ کر اسیر کو دیکھا۔

"جب خیال آتا ہے کہیں وہ جنسی جرائم میں ملوث افراد کے پاس تو نہیں پہنچا تب دوسرا خیال یہ آتا ہے اللہ کرے اس سے پہلے اس کی زندگی پوری ہوگئی ہو۔ مرگیا ہو....." وہ زار زار رو رہی تھی۔

"گوگل پر سرچ کرنے کی غلطی میں نے بہت پہلے کرلی تھی اور تب سے میری سمجھ میں نہیں آتا اس کی زندگی کی دعا مانگوں یا اس کی موت کی..... وہ سب پڑھ کر میرا دل کرتا تھا جنگلوں میں نکل جاؤں، کسی طرح ہوش وخرد سے بے گانہ ہوجاؤں، مجھے یہ سب بھول جائے، میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہوجائے..... جب یہ خیالات ایک بار شروع ہوتے ہیں تو پھر میرے قابو میں نہیں رہتے، جب یہ تواتر سے ذہن میں اترتے ہیں تو..... سانس بھی نہیں لی جاتی، دم گھٹتا ہے، پھر بھی موت نہیں آتی، یہ ایسی سزا ہے کہ تکلیف موت کے دہانے تک لے جاتی ہے پھر کھینچ کر واپس لاتی ہے اور پھر وہی سب نئے سرے سے شروع ہوتا ہے، یہ اذیت میں اکیلی نہیں جھیل رہی میرے ابو..... ابو کو بھی تو گوگل نے وہی جواب دیے ہوں گے اور میرے ابو....." آنسوؤں کے سیلاب نے اس کی آواز سلب کرلی۔

"صائبہ! ہوسکتا ہے وہ بھٹک کر کسی نیک آدمی سے ٹکرایا ہو، کسی بے اولاد جوڑے نے اسے اپنا بنالیا ہو، وہ پڑھ لکھ کر ایک کام یاب اور خوش حال زندگی گزار رہا ہو، کسی نامناسب جگہ سے اسے بچالیا گیا ہو یا وہ خود وہاں سے بھاگنے میں کام یاب ہوگیا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے دنیا میں اس کی عمر پوری ہوگئی ہو، وہ دنیا کے جھمیلوں سے آزاد اپنے دائمی سفر پر روانہ ہوگیا ہو۔ اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو بھی یہ دنیا ہے، وقت کے ساتھ یہاں سب سروائیو کرنا سیکھ جاتے ہیں، حالات نے اسے بھی مضبوط بنادیا ہوگا، اچھا برا اس کے ساتھ جو بھی ہوا ہو، وہ اس کے ساتھ جینا سیکھ گیا ہوگا۔ اس کی اپنی دنیا ہوگی، عام لوگوں کی دنیا جیسی جس میں دکھ سکھ، آنسو ہنسی سب ہوتا ہے، شاید اسے پچھلا کچھ یاد بھی نہ ہو، وہ آپ سب کو بھول گیا ہو، جہاں بھی ہے خوش اور مطمئن ہے۔ سوچنا ہی ہے تو سب کچھ اچھا کیوں نہ سوچیں تصور ہی کرنا ہے تو خوش کن تصور کیوں نہ کریں؟"

"اس سے حقیقت تو نہیں بدلے گی۔"

"کیا ہے حقیقت؟ آپ جانتی ہیں؟ نہیں نا، کوئی نہیں جانتا سوائے ثوبان اور مالک مطلق کے۔ باقی ہم فرض اور گمان ہی کرسکتے ہیں، یہی ہمارے اختیار میں ہے تو سارے گمان اور خیال دل خوش کرنے والے اور سکون دینے والے کیوں نہ رکھیں؟"

وہ اس نئی بات پر چپ رہی۔ پہلی بار کوئی ایسا انوکھا کچھ کہہ رہا تھا۔

"برا اور دکھ دینے والا ہی کیوں سوچیں؟ وہموں اور وسوسوں کو اچھے خیالات سے بدلنے کی کوشش تو کرہی سکتے ہیں۔ زندگی بھی تو ہماری ذمہ داری ہے، درد اور اداسی خود سے دور کرنے والی مشقت ہمیں ہی کرنا ہوتی ہے، اس کے آگے ہتھیار نہیں ڈالتے، جنگ کرتے ہیں، انھیں شکست دیتے ہیں۔ زندگی اس لیے تو نہیں ملی ہے کہ ایک حادثے کی نذر کرتے ہوئے باقی تقاضوں سے منہ موڑ لیں اور خوش رہنے کی کوشش بھی نہ کریں۔"

"صرف حادثہ نہیں تھا وہ، میری وجہ سے....."

"نہیں۔" اس نے دھیمے مگر سخت لہجے میں کہا۔ "اس حادثے کی وجہ کوئی نہیں ہے، یہ کسی کی غلطی، کسی کا قصور، کسی کا گناہ نہیں ہے، آپ نے کچھ غلط نہیں کیا سب سے پہلے یہ قبول کریں، خود کو اس کی

www.zemtime.com

وجہ سمجھنا ترک کریں۔"

اس کی آواز میں ایسی سچی التجا تھی کہ وہ پھر رونے لگی۔ آج کسی نے واقعی اس کے خار خار وجود کو سمیٹنے کے لیے ریشم بچھایا تھا۔ اس کے الفاظ ہی نہیں، فکر سے چور آواز اور دل تک پہنچتا تریاق سا لہجہ کسی مہربان ابر سا اس پر برس رہا تھا۔

تب ہی بیگ میں رکھا اس کا فون بجنے لگا۔ وہ فون ریسیو کرنے کے قابل نہیں تھی اور اسیر کو اندازہ تھا اسے عبدالخالق کے علاوہ کوئی اور فون نہیں کرے گا۔ اس نے آہستہ سے اس کی گود سے بیگ کھینچا، وہ بنا زپ والا بیگ تھا۔ اندر فون کی اسکرین — روشن تھی۔ اس نے فون باہر نکالا۔

اسکرین پر 'ابو کالنگ' جگمگا رہا تھا۔ وہ فون لے کر کار سے باہر نکلا اور دروازہ بند کر دیا۔

"السلام علیکم انکل۔"

'' وعلیکم اسلام۔'' وہ حسب توقع حیران ہوئے۔ "آپ کے پاس صائبہ کا فون؟"

وہ مجھے راستے میں ملیں، شاپ پر کچھ بھول گئی تھیں، وہ لینے گئی ہیں۔"

"اچھا اچھا..... مجھے باہر جانا ہے، اس لیے اسے کال کی تھی کہ ذرا جلدی آجائے۔"

"بس کچھ منٹ میں پہنچ رہے ہیں۔"

فون بند کر کے وہ پھر اندر آیا۔

"انکل کو کہیں جانا ہے۔ میں نے کہا آپ راستے میں مل گئی تھیں۔" اس نے فون اس کی طرف بڑھا کر کہا۔ اس نے فون لے کر واپس بیگ میں ڈال لیا۔ دوپٹے سے چہرہ خشک کیا اور اس کی سمت دیکھے بغیر کہا۔

"گھر چلیں۔"

اسے جو کہنا تھا وہ ابھی باقی تھا مگر عبدالخالق کے فون کے بعد مناسب نہیں تھا کہ وہ مزید وہاں رکتے۔ اسیر نے کار اسٹارٹ کی اور ناہموار راستے پر آگے بڑھا دی۔ بیچ میں ایک دکان پر رک کر صائبہ نے کچھ چیزیں خریدیں۔ کار رکتے ہی وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔ عبدالخالق کے کسی دوست کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، وہ اسے دیکھنے اسپتال جا رہے تھے۔ وہ سامان باورچی خانے میں رکھنے آئی تب تک وہ صحن سے ہی اسے کہتے باہر نکل گئے۔ اس نے شکر کا سانس لیا ورنہ اس کا رویا چہرہ دیکھ کر وہ اس سے پوچھتے تو کچھ نہیں تھے مگر چپ ہو جاتے تھے۔ اسیر اندر نہیں آیا تھا۔ باہر عبدالخالق سے بات کرنے پر پتا چلا ان کے دوست اسی کے اسپتال میں ایڈمٹ تھے۔ اسے بھی واپس جانا تھا سو وہ دونوں ایک ساتھ اسپتال روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

لائبہ کا فون آیا تھا۔ زینت نے شاید اس سے بھی بات کی تھی کیوں کہ وہ اسے شادی کے لیے رضامند کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں نے بھائی سے بات کی ہے، وہ امی ابو کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ وہاں نفسیاتی مریضوں کا بہت اچھے سے خیال رکھا جاتا ہے۔ امی کی دیکھ بھال ایسے اسپتال یا سینٹر میں یہاں سے زیادہ بہتر ہوگی۔ ابو اگر وہاں نہ جانا چاہیں تو وہ میرے پاس آجائیں گے۔ تم ان کے لیے اپنی زندگی کو آگے بڑھنے سے کیوں روک رہی ہو؟ ابو کو بھی یہ اچھا کہاں لگتا ہوگا کہ تم ان کی وجہ سے انکار کر رہی ہو۔ وہ زور زبردستی نہیں کرنا چاہتے تو تم بھی تو سمجھو یہ باتیں سال کم نہیں ہوتے اس فیز سے باہر نکلو۔ زندگی میں رنگ بھرو، اسے انجوائے کرو، ایسا کرو کچھ دن کے لیے میرے پاس آجاؤ۔ تمہارا اس گھر سے نکلنا ضروری ہے، تم نے خود کو اس گھر میں قید کر رکھا ہے جہاں صرف اداسی اور مایوسی کا بسیرا ہے اور وہاں رہ کر تمہاری سوچ بھی ایسی ہی ہو گئی ہے۔ تم امی ابو کی وجہ سے شادی سے انکار نہ کرو، امی ابو کا کوئی نہ کوئی انتظام ہو جائے گا۔"

تب سے وہ ہال کے فرش پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اسے لائبہ کی باتوں پر کبھی غصہ آرہا تھا، کبھی وہ درست لگ رہی تھی تو کبھی انتہائی خود غرض

www.zemtime.com

جسے والدین کی قطعی فکر نہ تھی۔ پہلے اسے اس قسم کی باتوں پر بس دکھ ہوتا تھا، وہ روتی رہتی تھی۔ دفعہ تھا کہ اسے غصہ بھی آرہا تھا اور وہ ٹھیک بھی لگ رہی تھی۔ صحن کا دروازہ کھول کر اندر آئے اسیر کو کھڑکی سے وہ دکھائی دے گئی تھی۔ کل سے اب تک ان کے مابین کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ کچھ سوچتے ہوئے وہ کمرے میں جانے کے بجائے ہال میں چلا آیا۔ اسے دیکھتے ہی صائبہ نے سامنے پھیلے پیر سمیٹے۔ وہ اٹھتی اس سے پہلے اسیر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

"بیٹھی رہیں۔" جوتے اتار کر وہ بھی اس سے فاصلے پر دیوار سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا۔ وہ بھی اس کی طرح دو زانو بیٹھا تھا۔ بیگ اس نے بازو میں رکھ دیا تھا۔

"آج آپ سوئیں نہیں؟" اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور صائبہ کا منہ کھلا رہ گیا۔

"اس کھڑکی سے یہ دیوار نظر آتی ہے۔" وہ اندر آنے والی بات گول کر گیا۔ وہ کیا جواب دے سکتی تھی سو سر جھکا لیا۔

کل ہماری بات مکمل نہیں ہوئی تھی....."

"آپ کیوں ہم سب میں اتنی دلچسپی لیتے ہیں اس کا جملہ کاٹ کر پوچھے گئے اس سوال کے لیے وہ تیار نہیں تھا۔

"میں کیا کوئی بھی انسان....."

"سچ نہیں۔" اس نے پھر قطع کلامی کی۔ اس کے پاس بیس سالہ تجربہ تھا اور یہ واحد شخص تھا جس نے علامتوں کی ملامت اور مرمت کے بجائے نبض پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ دونوں کچھ پل گردن موڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر اسیر نے سر سیدھا کرتے ہوئے نظر کا زاویہ بدلا۔

"میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جو پیچھے رہ جاتے ہیں مگر میری کہانی آپ سے بہت مختلف ہے۔ اس دن بھائی بارہ گھنٹے کی ڈیوٹی کر کے آئے تھے مگر پاپا کے پیر درد کی وجہ سے انھیں ڈرائیونگ سے روکنے کے لیے وہ خود ڈرائیو کر کے انھیں ایک ریلیٹیو کی شادی میں لے گئے۔ واپسی میں دیر ہوگئی اور پاپا کے اصرار کے باوجود انہوں نے پھر انھیں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے نہیں دیا۔ راستے میں شاید کچھ سیکنڈ کے لیے انھیں نیند کا جھونکا آیا اور جب موت تاک میں ہو تو پلک جھپکنے اتنا وقت بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ڈیوائڈر سے ٹکرا کر بے قابو ہوئی کار نے مما، پاپا کے اس سفر کو آخری سفر بنا دیا۔ ہفتہ بھر زندگی اور موت کی جنگ جیت کر بھائی کو جب ہوش آیا تو....." اس نے ایک گہری سانس آزاد کی۔

"دنیا بدل گئی تھی، ہماری ہفتہ بھر پہلے ہی اور ان کی ہفتہ بھر بعد۔ پہلے وہ بے یقین سے تھے پھر اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑا، وہ ٹوٹ گئے، بکھر گئے، پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ ہماری پانچ افراد کی فیملی ایک دوسرے سے بہت قریب تھی۔ مصروفیت کے باجود مما پاپا ہم تینوں کے ساتھ وقت گزارنے اور ہنسنے مسکرانے کی اہمیت سمجھتے تھے اور اچانک وہ ہم سب سے دور ہو گئے تھے۔" اسے محسوس ہوا غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے اسیر اسی وقت میں کھڑا ہے۔

"آپی اور میں بھائی سے چھوٹے تھے، ہم تینوں کے لیے یہ حادثہ اور نقصان سنبھالنا مشکل تھا مگر وہ بڑے تھے، سب ان سے کہتے، تم بڑے ہو، بھائی بہن اب تمہاری ذمہ داری ہے، اب والدین کی جگہ تمھیں سنبھالنی ہے اور جانے کیا کیا۔ سو وہ ہمارے سامنے نارمل بی ہیو کرتے رہے، ہمیں سمجھاتے، حوصلہ دیتے، ہمارے لیے پیرنٹس کا رول ادا کرتے، ہمیں کبھی محسوس نہیں ہوا کہ وہ ہم سے الگ ایک مختلف اذیت سے گزر رہے ہیں۔ ہمارے لیے وہ بہت سمجھ دار انسان، قابل بھائی اور ایکسیلنٹ ڈاکٹر تھے۔ آپی کی شادی طے تھی، سو وقت پر ان کی شادی کر دی اور میں اپنے فائنل اور پی جی کی تیاری میں بے انتہا مصروف ہوتا گیا۔ ہم سب میڈیکل فیلڈ سے ہیں، مما پاپا بھی ڈاکٹر تھے۔ بھائی کو ہر طرح کی پروفیشنل ہیلپ کا علم تھا، ایسی ہیلپ ان کی دسترس میں بھی تھی مگر وہی سوسائٹی کا دباؤ اور توقعات.....

www.zemtime.com

انھیں ایک غم گسار کی ضرورت تھی جس کے آگے وہ کچھ بھی چھپائے بنا دل کھول کر رکھ سکتے، اندر کی گھٹن باہر انڈیل سکتے، جو انھیں نہیں ملا۔

پریشان کرنے والی سوچوں اور اپنے بچ جانے کے گلٹ سے بچنے کے لیے وہ پریسکرپشن میڈیسن کے عادی ہوتے گئے۔ ذہن بیدار ہو تب ہی خیالات تنگ کرتے ہیں سو انہوں نے اس کا راستہ یہ نکالا تھا کہ خالی وقت میں ذہن کو سلائے رکھتے۔

ایک رات ان ہی میڈیسنز کے رانگ کامبینیشن نے انھیں ابدی نیند سُلا دیا۔ یہ سب ہمیں ان کے جانے کے بعد پتا چلا۔ ان کے اصل حالات کسی حد تک ہماری کزن اور ان کی فیانسی سبرینہ جانتی تھیں مگر وہ بھی اپنی انٹرن شپ میں بے انتہا بزی رہتی تھیں پھر بھائی نے ہمیں کچھ بھی نہ بتانے کا وعدہ لے رکھا تھا۔"

اس کے صبیح چہرے پر صابیہ نے پہلی بار تکلیف کے آثار دیکھے۔

"وقت گزر جانے کے بعد احساس ہوا کہ ہم نے اور بھائی نے بھی خود کو زیادہ ہی مضبوط سمجھ لیا تھا۔ کسی نے انھیں الزام نہیں دیا تھا نہ ہی قصوروار گردانا تھا، انہوں نے بھی ابتدائی دنوں کے علاوہ اس قسم کی بات کبھی نہیں کی تھی لیکن اتنے بڑے حادثے میں بچ جانے اور اسی حادثے میں سب سے قریبی دو پیاروں کو کھو دینے کا بوجھ ان پر بھی تھا اور وہ یہ تنہا سہہ رہے تھے۔ ذہنی اور نفسیاتی مسائل میں پچھلے سالوں میں اتنی ہی ترقی ہوئی ہے کہ ہم ڈپریشن اور انگزائٹی جیسی ٹرمز سننے اور سمجھنے لگے ہیں اور ہم نے انھیں ہی کل نفسیاتی مسائل سمجھ لیا ہے۔ اس کے آگے پیچھے ہم کچھ اور دیکھتے ہیں نہ سوچتے ہیں۔ 'سروائورز گلٹ' بھی ایسی ہی نفسیاتی ہوئی ہے جس میں بچ جانے والا خود کو مجرم سمجھنے لگتا ہے۔ ایک پڑھا لکھا، ہنسنے مسکرانے والا، قابل ڈاکٹر بھی وہی سب سوچ سکتا ہے جو ایک عام انسان، اسے بھی وہی سب کاش اور اگر مگر تنگ کرتے ہیں جو کسی عام انسان کو، ہم یہ نہیں سمجھ سکے۔

پتا نہیں ہم کیوں نہیں سمجھتے کہ انسان عمر، عہدے، ذہانت اور سمجھ داری سے قطع نظر اس قدر کمزور اور مایوس بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے لیے تنہا خود کو سنبھالنا ممکن نہیں رہتا۔

ہم ایسے افراد کو پریشان کرنے والے تاریک پہلو اور خیالات کے اظہار کا حق اور موقع تک نہیں دیتے۔ ہماری ان سے مضبوط شخصیت اور میچورٹی کی توقعات انھیں بہت اکیلا کر دیتی ہیں۔ کاش وہ ہم سے کہتے، سب اکیلے نہ سہتے، کاش ہم نے توجہ دی ہوتی، انھیں بہادر نہ سمجھا ہوتا!" وہ خلا میں دیکھتے ہوئے کہیں کھویا سا لگ رہا تھا۔

"پھر میں نے اور آپی نے طے کیا، ہم ایک دوسرے کو تنہا نہیں کریں گے، سب دکھ بانٹیں گے، سب بتائیں گے۔ مضبوط اور میچور ہونے کا ڈرامہ کم سے کم ایک دوسرے کے ساتھ نہیں کریں گے۔ ٹریجڈیز سے مزید ٹریجڈیز پیدا نہ ہوں، ہم نے یہ ہی سیکھا۔"

"وہ اپنے بھائی کو نہیں بچا سکے اس لیے تمھیں بچانا چاہتے ہیں۔" اس کے اندر سرگوشی ابھر کر ڈوبی۔

"کیا آپ بھی بھائی کے لیے خود کو بلیم نہیں کرتے؟"

"نہیں۔ کسی کو قتل کرنے یا خودکشی کے دہانے تک لے جانے والا ہی اس موت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر انہوں نے یہ قصداً کیا ہوتا یعنی سوسائیڈ کی کوشش تو پتا نہیں تب میرے خیالات کیا ہوتے۔ انہوں نے غنودگی یا نیم بے ہوشی کی حالت میں اینٹاسڈ سمجھ کر ایک ایسی میڈیسن لے لی تھی جو دیگر پین کلرز اور ٹرنکولائزرز کے ساتھ مل کر مہلک ثابت ہوئی۔ انھیں ایسیڈیٹی کا پرانا مسئلہ تھا۔ یہ حادثہ تھا، ایک ایکسیڈنٹ۔ آپی نے اور میں نے اکیلے سہنے کے بجائے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر اس فیز کو پار کیا۔

اچھا، برا، بہت برا، بدترین، شرمندہ کرنے والا، رُلانے والا، دل دکھانے والا، ہر خیال ہم نے بلا جھجک

www.zemtime.com
ZEMTime SINCE 2014

ایک دوسرے کو سنایا، ہر احساس شیئر کیا۔ اگر ہم سارے داغ اور زخم دوسرے کے سامنے مکمل عیاں کرنے والا مشکل کام کرلیں تو خود کو بچا سکتے ہیں۔"

وہ خاموش ہوگیا مگر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ صائبہ نے نظر چرالی۔ یہی تو اس کے گھر کے لوگ نہیں کرسکے تھے۔ ایک سادر دتھا مگر بانٹنے اور سہارا دینے کے بجائے سب اکیلے اس سے لڑ رہے تھے۔ سر جھکا کر اس نے گود میں دھرا بایاں ہاتھ پلٹا۔ اس کی زندگی کا گرہن ہتھیلی کی پشت پر بیٹھا تھا۔

"میں نے آپ کی خواہش پر سب سچ کہہ دیا۔" اس کی ہتھیلی پر ایک نظر ڈال کر وہ پھر اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ "اب آپ بھی سچ کہیں، کیوں یہ ظلم کرتی ہیں؟"

"پتا نہیں۔ اس میں میرے چاہنے نہ چاہنے کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، میری انگلیاں میری نہیں سنتیں۔"

"آپ کے یقین نے انھیں اتنا خودمختار کردیا ہے؟" اس کے انوکھے سوال پر وہ اسے الجھ کر دیکھنے لگی۔"

"آپ قصور وار اور گناہ گار نہیں، یہ یقین کرلیں تو انگلیاں پھر ایسا ظلم نہیں کریں گی۔" اس نے آسان لفظوں میں وہی بات دہرائی۔ وہ پھر سر جھکا کر ہاتھ کو تکنے لگی۔

"بیس سال سے آپ اپنے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں اور دنیا کی رنگینیاں بڑی حسرت سے آپ کو تک رہی ہیں۔ آگے ایک خوبصورت راہ گزر آپ کی منتظر ہے صائبہ، آپ نے یہ ہاتھ کسی کے ہاتھ میں دے کر ایک خوب صورت سفر طے کرنا ہے۔" لفظوں سے چھلکتی کسی تمنا کی آنچ تھی یا اس کی آنکھوں میں امڈا نیا احساس، صائبہ کی دھڑکنوں کی لے بدل گئی۔ اندر کی مانوس سی مجلس میں آگے اونگھتے احساسات اس نئی طرز کے ظہور پر ہڑبڑا گئے۔

"کسی کی امانت جان کر اس کی حفاظت کریں۔" امیر نے اس کے چہرے کے بدلے رنگ محسوس کیے۔ کچھ گلال سا اس کے اندر کب سے اڑ رہا تھا جو آج ادھر تک پھیل گیا تھا۔ کچھ جذبے دبے پاؤں دل میں داخل ہوتے ہیں اور آپ کو خبر اس وقت ہوتی ہے جب وہ مالک بن بیٹھتے ہیں۔

"آپ کافی لیں گے؟" وہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔ "میں بناتی ہوں۔" امیر بھی مسکراتے ہوئے بیگ اٹھا کر کھڑا ہوگیا۔ وہ کافی بنا رہی تھی اسی دوران عبدالخالق بھی آگئے۔ اس نے شکر ادا کیا۔ فی الحال اسے تنہا اس کا سامنا نہیں کرنا تھا۔

☆☆☆

موسم نے کروٹ لی تھی۔ گرمی کہیں چھپ کر اونگھنے لگی تھی اور سرد ہوائیں انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھیں۔ ارباب کی چھوٹی بیٹی کی سالگرہ تھی۔ وہ ایسی خاندانی تقاریب میں جانے سے کتراتی تھی۔ جہاں اسے دیکھتے ہی سب کو ہمدردی، تسلی، فکرمندی اور شادی کی خبر سننے کا بخار چڑھ جاتا تھا مگر آج ہاجرہ جانے پر بضد تھیں۔ صبح ان کے سامنے ہی شفیقہ بھابھی کا فون آیا تھا۔ چاروناچار اسے بھی تیار ہونا پڑا۔ اِن دنوں ان کا مزاج بھی اچھا تھا۔ اس رضامندی کی وجہ اس وقت سمجھ آئی جب ابو کے ساتھ صحن میں امیر بھی تیار کھڑا نظر آیا۔

"سالگرہ بھی سنڈے کو ہی آنا تھی!" اس نے سوچا۔

وہ اس کی کار سے ہی تایا کے گھر پہنچے تھے۔ وہ بچوں اور کزنز کے درمیان بیٹھنے کے بجائے شفیقہ کا ہاتھ بٹانے باورچی خانے میں آگئی اور پھر ذرا دیر میں اسے بھی بیٹی کی سالگرہ انجوائے کرنے باہر بھیج دیا کہ ادھر کی فکر نہ کریں میں ہوں یہاں۔

کیک کٹا سب نے کھایا پھر کھانا ہوا اور سب خوش گپیوں میں مصروف ہوگئے۔ آس پڑوس کے بچے بھی گھروں کو لوٹ گئے تھے۔ ہاجرہ کی دوائی کا وقت کب کا گزر چکا تھا۔ وہ دینے لگی تھی مگر عبدالخالق نے منع کردیا۔ وہ بڑے دنوں بعد ہوش وحواس میں سب کے ساتھ شامل تھیں۔ تایا تائی ارباب اور بچوں

www.zemtime.com

کے علاوہ باقی سب شفیقہ کے میکے والے تھے۔ سب کو چائے دینے کے بعد وہ اپنا کپ لے کر چھت پر آ گئی۔ اوپر آتے ہی اسے خنکی کا احساس ہوا۔

نکلتے وقت وہ ہاتھ میں لی شال گاڑی میں ہی بھول گئی تھی۔

اس نے ذرا سا سر اونچا کر کے سرمئی رنگ دھارے آسمان کو دیکھا چاند روشن تھا۔ اس نے چائے کا گھونٹ لے کر کپ دیوار پر رکھا۔

"اف۔" اس نے پھر دوپٹا لپیٹا جو اس ٹھنڈ میں ناکافی تھا۔ اس کا دل نیچے جانے بھی تیار نہیں تھا۔ تب ہی عقب میں آہٹ ابھری۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اسیر آخری زینے پر تھا۔ قریب آ کر اس نے شال اس کی سمت بڑھائی۔

آپ یہ کار میں ہی بھول گئی تھیں۔""

"تھینک یو۔" اس نے شال لیتے ہوئے کہا۔ اسے اس وقت اس کی اشد ضرورت تھی۔

سرد ہواؤں کے لمس نے اس کا چہرہ گلابی کر دیا تھا، کاجل سے سجی سیاہ آنکھوں میں قدرت کی سنگت سے پھوٹی نئی روشنی تھی، بے خوف اور سرکش خواہشوں کی طرح اس کے چہرے اور گردن کو چھو کر دور ہوتی پھر پاس آتی آوارہ لٹیں اور..... وہ خود کو روک نہیں سکا۔

"آپ واقعی اتنی خوبصورت ہیں یا مجھے لگنے لگی ہیں؟ اس وارفتگی بھری سرگوشی پر اندر وہ ہلچل مچی کہ شال اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ چاروں طرف یخ ہواؤں کے باوجود پہلو میں بڑی خفیف اور لطیف سی تپش جاگی تھی۔

"اتنا نہ سوچیں....." وہ مسکرایا۔ "اس حقیقت کے بعد جواب اتنا ضروری نہیں کہ آپ جیسی بھی ہیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔" وہ جیب میں ہاتھ ڈالے سامنے دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

اس کی پلکیں اور لب اس افتاد کا بار سنبھال نہیں پائے تھے۔

"گھبرائیں نہیں، میں نہیں پوچھوں گا، میں کیسا لگتا ہوں..... کم از کم اس وقت نہیں۔"

"آ..... آ..... آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" وہ منمنائی۔

"سچی باتیں!" اس کی نگاہیں مرکز پر جمی تھیں۔ "جو محسوس ہو، وہ کہہ دینا چاہیے۔" وہ ایسی نامہ بر نگاہوں کی عادی نہیں تھی۔ خود بخود اس کا سر جھک گیا تھا۔

"آپ کی وجہ سے میری زندگی میں تبدیلیاں آ رہی ہیں، یہ جاننا آپ کا حق ہے اور بتانا میرا فرض۔" اس کا چہرہ ہی نہیں لہجہ بھی متبسم تھا۔ "آپ بس سن لیا کریں۔"

اس نے اچھی طرح خود کو شال میں چھپایا اور دیوار سے کپ اٹھایا۔

"چلیں، آپ کو صبح ہاسپٹل بھی جانا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے خود کو پُر اعتماد ثابت کرنے کی کوشش کی۔

"آپ سنیں گی ناں؟" اس کا انداز بتا رہا تھا وہ جواب سن کر ہی ہلے گا۔

اس کا دل کیا پوچھے، آپ مجھے کیوں سنانا چاہتے ہیں؟ کچھ دیر کی کشمکش و پیچ کے بعد اس نے پوچھ بھی لیا۔

"میرے خیال، خواب اور خواہشیں سب کسی کے تصرف میں ہیں اور یہ خبر دنیا سے پہلے آپ کو ہونا چاہیے کیوں کہ وہ 'کسی' آپ ہیں۔"

وہ مقابل کو خاص، بہت خاص محسوس کرانے کے ہنر میں تاک تھا۔ اچانک اسے نہ جانے کب کہاں سنا یا پڑھا 'ہیپی ہارمون ڈوپامائن' یاد آ گیا۔ اس سے جڑی ساری معلومات جان لینے کے بعد بھی وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ خوشی کا احساس کیسا ہوتا ہے اور اس وقت اس نے سوچا۔

"ڈوپامائن ریلیز ہونے پر ایسا ہی لگتا ہوگا جیسا مجھے اس وقت محسوس ہو رہا ہے۔" یہ اس کے لیے کوئی نیا احساس تھا۔ دنیا کے کروڑوں لوگ جو روز محسوس کرتے تھے وہ پہلی بار محسوس کر رہی تھی۔

www.zemtime.com

"میں نے کب کان بند کیے!" اس نے دھیرے سے کہا اور پھر اپنے ہی جملے پر حیران سی کر شال سنبھالتی زینے کی طرف بڑھ گئی۔

"یہ شاید ڈوپامائن کا ہی اثر ہے۔" اپنے جملے کے لیے اس نے اسے ہی دوشی ٹھہرایا۔ کسی کے لیے خاص ہونے کا خاص احساس بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ اسیر بھی مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑا۔

گھر پہنچ کر بستر پر جانے سے پہلے وہ آئینے کے سامنے ٹھہر گئی۔

"آپ واقعی اتنی خوبصورت ہیں یا مجھے لگنے لگی ہیں؟" دل کو گدگدانے والا انوکھا اچھوتا احساس تھا۔ اس پر سولہواں برس بھی ویسا ہی گزرا تھا جیسا چھٹا اور چھبیسواں سال تھا۔ اداس، پُرآزار، تنہا، اذیت بھرا، آنسوؤں میں ڈوبا۔

اسکول کالج بھی بوجھ کی طرح اس نے مکمل کیے تھے۔ اس کے لیے سب کچھ ہی بوجھ تھا، سانس لینا، زندہ رہنا، روز ہاتھ پیر ہلانا اور وہ یہ بوجھ پوری دیانت داری اور ذمہ داری سے اٹھاتی تھی کہ اس قید بامشقت میں کوتاہی اور سستی اس کے لیے گناہ تھی۔

اس کے اندر اس قید سے آزاد ہونے کی خواہش کبھی نہیں جاگتی تھی۔ مگر اب کوئی اسے دوسری سمت لے جانے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس کی محبوس دنیا کی دیوار میں کسی کی موجودگی اور اس کے الفاظ ایک دریچہ تراش گئے تھے۔ اس نے جانا تھا کہ اس زنداں کے باہر بھی ایک دنیا ہے اور وہ دلکش ہے۔ ایدر کی محفل میں وہ پہلی بار پچھلی قطار سے آشنا ہوئی تھی۔ وہاں ستائش کی خوشی سے لے کر چاہے جانے کی آرزو اور ایک سامع اور ساتھی کی چاہت نے اپنی موجودگی کا احساس کرایا تھا۔

اب تک پہلی قطار میں نمایاں اداسی، اذیت، پچھتاوے، کاش اور قصور کے درمیان محبت، خواب اور خواہش نے خود کو آشکار کیا تھا۔ پہلی بار ملے التفات، کسی کی آنکھوں میں اپنا عکس، کسی کی سحر انگیز باتیں اور ایک مہرباں قربت، اس کی دنیا بدل رہی تھی، کچھ اچھا ہو رہا تھا اور اس پر پہلی بار اسے ندامت نہیں تھی۔

"میں نہیں پوچھوں گا میں کیسا لگتا ہوں....." اسے تصور کرنے کے لیے اس نے آنکھیں بند کیں اور پہلی تصویر وہی تھی جب اس نے پہلی بار اسے باجرہ کے بازو میں بینچ پر دیکھا تھا۔ یادداشت میں رقم اس تصور پر اسے حیرانی ہوئی اور پھر کچھ دیر بند رہی آنکھوں نے واضح کیا کہ پہلا نقش ہی نہیں اس کے اندر اس اجنبی مسیحا کے سارے نقوش پوری جزئیات کے ساتھ محفوظ تھے۔

آج وہ بستر پر لیٹی تو کمرے کی دیواروں سے وحشت اور افسردگی کے بجائے کچھ رنگ برنگے سانس لیتے خواب جھانک رہے تھے۔ ناقابلِ تسخیر لگنے والی فصیلِ الم پر کسی نے محبت کی کمند ڈال دی تھی۔

☆☆☆

اس کے چند جملوں کا اثر تھا کہ اب وہ اس کی سمت دیکھنے سے کترانے لگی تھی پھر بھی طواف کرتی نظریں اور ان کی سرگوشیوں سے انجان نہیں تھی۔ جانے اس طرف یہ تغیر کب سے رونما ہوا تھا مگر صائبہ کو اس کی خبر اب ہوئی تھی۔

آپی نے اس کی کھنکتی آواز سے جانا یا شاید اس کے مزاج اور گفتگو میں شگفتگی اور ظرافت کی آمیزش انھیں باخبر کر گئی اور انہوں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ اسیر نے انھیں بتا دیا۔ اب انھیں اس لڑکی سے ملنے کی جلدی تھی جس نے اسیر کو اسیر کیا تھا۔ وہ وہاں آنا چاہ رہی تھیں مگر اس سے پہلے اسے عبدالخالق سے بات کرنا ضروری لگا۔

اس کا مدعا سن کر کتنی دیر انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ اسیر کو بات کرنے سے پہلے یا بات کرتے وقت ڈر نہیں لگا مگر اب ان کی چپ اسے ہولا رہی تھی۔

"میری بچی عام لڑکیوں سی نہیں، اس نے اب تک بہت مشکل زندگی گزاری ہے۔ ہر باپ کی طرح میں بھی اسے خوش دیکھنا چاہتا ہوں، اس کے

www.zemtime.com

فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میری بیٹی مختلف ہے۔ آپ کے فیصلے کے پیچھے صرف پسند ہے تو یہ اس کے حق میں شاید بہتر نہ ہو۔ ہاں، ہمارے حالات، گھر کا ماحول، اس کی ذہنی کیفیت، اس کی خاموشی اور درد کو سمجھنے کے بعد آپ نے یہ طے کیا ہے تو میں اس فیصلے سے خوش ہوں لیکن آخری فیصلہ اب بھی صائبہ کا ہوگا۔ خوش گوار اور مطمئن زندگی کے لیے صائبہ کا دل سے راضی ہونا ضروری تھا۔"

عبدالخالق کو یہ رشتہ بیٹی کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں لگا تھا اور صائبہ سے بات کرتے ہوئے انہوں نے — اسے سوچنے کا وقت دیا۔ اس کے چپ چاپ سن لینے اور فوراً انکار نہ کرنے پر انھیں اس کی طرف سے مثبت جواب کی امید بندھ گئی تھی۔

☆☆☆

آج اتوار تھا پھر بھی وہ صبح صبح اسپتال گیا تھا۔ پچھلے دن ہوئی کریٹیکل سرجری کے مریض کو دیکھنا ضروری تھا۔ کھانے کے بعد ہاجرہ اور عبدالخالق کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہ کھانے کی میز پر اخبار پھیلائے اپنے خیالوں میں اس قدر گم تھی کہ اسیر کی واپسی کا بھی پتا نہیں چلا۔ اسیر اور عبدالخالق کی باتیں اور آگے کا منصوبہ پہلی بار دل نے سنتے ہی رد نہیں کیا تھا بلکہ وہ ہاجرہ اور عبدالخالق کہاں، کیسے، کس کے ساتھ رہیں گے، کیا وہ یہ شہر اور گھر چھوڑ کر اس کے ساتھ رہنے پر تیار ہوں گے، سوچ رہی تھی۔ اتنا تو اسے اندازہ تھا، اسیر یہاں کے اسپتال میں عارضی طور پر ہے اور اس چھوٹے سے شہر کو وہ اپنا مستقل ٹھکانا نہیں بنائے گا۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟" اسیر کی آواز پر وہ بری طرح چونکی۔ وہ جانے کب سے صوفے پر بیٹھا تھا۔

"

"کچھ نہیں۔" اس نے پھر اخبار پر چہرہ جھکا لیا۔

"میں نے آپ سے اجازت لیے بنا انکل سے بات کر لی، آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا؟" وہ واقعی سنجیدہ سوال تھا یا وہ دل لگی کے موڈ میں تھا، صائبہ پرکھنے کے لیے اسے دیکھنے کی جسارت نہ کر سکی۔

"اگر آپ اسی کے متعلق سوچ رہی ہیں تو مجھ سے ڈسکس کر سکتی ہیں۔" اس کے ملائم لہجے پر اس نے گردن گھمائی۔

وہ بہت اچھا طبیب ہی نہیں، ایک ماہر نباض بھی تھا۔ اتنے دنوں بعد بھی ان کی بے تکلفی اور دوستی میں اس کی طرف سے تکریم اور صائبہ کی طرف سے جھجک کا زرتاری پردہ حائل تھا۔ کسی تقرب کے بنا بھی اس کے پاس اور ساتھ ہونے کا احساس اسے حوصلہ دیتا تھا۔ وہ اس کے لیے سراپا مرہم اور درماں تھا۔ جس کا امکان نہ تھا۔ وہ اس نے بڑے سہل انداز میں ممکن کر دکھایا تھا۔ وہ اس کے سامنے ڈھے گئی تھی، ٹوٹ گئی تھی اور پھر سمیٹ لی گئی تھی، سنبھال لی گئی تھی۔ اس نے کہیں کسی کا قول پڑھا تھا، محبت یہ ہے کہ کوئی روح کے زخموں تک رسائی حاصل کر لے اور پھر انھیں چوم لے، اسیر کی محبت ایسی ہی تھی۔

"بلند آواز میں سوچیں تو میں بھی سن لوں۔"

اس نے یک ٹک اسے دیکھتی صائبہ کا ارتکاز توڑا۔ اسی وقت ہاجرہ کے کمرے سے کچھ گرنے کی زوردار آواز آئی۔ صائبہ ادھر دوڑی۔ اس کے پیچھے اسیر بھی اٹھا۔ ادھ کھلے دروازے کے باہر اس کے قدم اندر سے آتی ہاجرہ کی آواز نے منجمد کر دیے۔

"اس نے پہلے بھی میرا ثوبان چھین لیا تھا، گم کر دیا تھا اور اب پھر مجھ سے میرا بیٹا چھیننا چاہ رہی ہے، کیوں میں نے اسے اپنی کھوکھ سے جنم دیا تھا کیوں..... اسے پیدا کرنے کی سزا ہی بھگت رہی ہوں میں، مجھے سکون سے جینے دے گی نہ مرنے دے گی یہ لڑکی، کیوں گھر میں رکھا ہوا نے آپ نے اسے؟ نکالیں یہاں سے اسے، سن لیں آپ ایسا ہونے نہیں دوں گی میں....."

صائبہ کا ہاتھ میکانیکی انداز میں بائیں ہتھیلی کی پشت کی سمت جانے لگا تھا کہ پیچھے سے اسیر نے کلائی

www.zemtime.com

تھام کر روکا۔

"ہاجرہ!" عبدالخالق کی آواز اونچی تھی۔ "تم دونوں کی ماں ہو، ثوبان چلا گیا صائبہ موجود ہے اس کا سوچو، یہ سب....."

"ثوبان کہیں نہیں گیا وہ اس گھر میں موجود ہے اور اب یہ بے شرم، بے غیرت لڑکی ایسے....."

"خدا کے لیے چپ ہو جاؤ ہاجرہ۔"

اسیر اس کا ہاتھ کھینچتا ہوا ہال کے درمیان آیا۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ اس نے ہاتھ چھڑا کر کرسی کی پشت کو تھاما پھر اس پر بیٹھ گئی اور اس کی سمت دیکھے بنا کہا۔

"آپ چلے جائیں پلیز۔" اس کی آواز میں سارے زمانے کی درماندگی تھی۔ اسیر کے لیے ہاجرہ کا ردعمل نئی صورت حال تھا۔ اس بات پر ایسا کچھ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ کشمکش میں تھا صائبہ کے پاس ٹھہرے یا اندر جا کر ہاجرہ کو روکے۔ عبدالخالق کی آواز وہاں تک آ رہی تھی۔

"تم نے اس معصوم پر بہت ظلم کیا ہے، ایسے زبان کے نشتر اور لفظوں کے تیر چلائے ہیں کہ میری بیٹی زخم زخم ہے۔ تمھارے درد اور دماغی حالت کے پیش نظر مجھے چپ رہنا پڑا لیکن اب میں اپنی بیٹی کے ساتھ میں کوئی زیادتی برداشت نہیں کروں گا۔"

"مجھے پہلے ہی شک تھا، آپ کو ثوبان سے محبت تھی ہی نہیں ورنہ دنیا کھنگال ڈالتے، کونہ کونہ چھان مارتے، بیٹے کو ڈھونڈے بغیر سکون نہیں ملتا آپ کو لیکن آپ نے تو بھلا دیا اسے، بیٹھ گئے، تھک گئے، کیسے باپ ہیں آپ؟ ایک میں ہی اب تک اسے دیکھنے کی آس لیے زندہ ہوں، تڑپتی ہوں روز، وہ میرا ہی نہیں آپ کا بھی تو خون تھا....." "انسان کا خود کو برتر سمجھنے والا غرور کسی بھی وقت سر اٹھاتا ہے۔

"خدا کے لیے ہوش میں آؤ ہاجرہ!" عبدالخالق کی آواز میں جھنجھلاہٹ بھری عاجزی تھی۔

"کسی کو ثوبان سے تم سے کم محبت نہیں تھی، تمھارا ہی نقصان اور درد عظیم نہیں ہے، میں بھی اسی خارزار سے گزر رہا ہوں جس سے تم، بیٹے کو پھر سے دیکھ لینے کی امید ہی روز مجھے بستر سے اٹھاتی ہے مگر میرے پاس تمہاری طرح رعایت نہیں تھی کہ ہاتھ پیر چھوڑ کر بیٹھ جاتا۔ میں کمزور ہونا، ٹوٹنا بکھرنا افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے بیوی اور بچوں کو سنبھالنا تھا، کمانا تھا، گھر چلانا تھا۔ ہماری تین اولادیں اب بھی ہمارے پاس تھیں، ان کی حفاظت کفالت کا ذمہ دار میں تھا، تم نے نہ صرف میرا ساتھ چھوڑ دیا بلکہ بچوں سے ماں بھی چھین لی۔ ایک بیٹا کھو کر میں نے باقیوں کی اہمیت سمجھی، انھیں آرام دینے، محفوظ اور خوش رکھنے کی کوشش پہلے سے زیادہ کی، انھیں ان کی مرضی اور خواہشیں پوری کرنے سے روکا نہ ٹوکا۔ اس سانحے کے اثرات سے بچنے کے لیے وہ جو کرنا چاہتے تھے انھیں کرنے دیا۔ جو چھن گیا تھا اس کا سوگ مناتے ہوئے جو پاس ہیں انھیں فراموش کرنا، نظر انداز کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟ تم نے اپنے سوا کسی کے درد اور نقصان کا احساس نہیں کیا نہ شوہر کے دل میں جھانکا نہ بچوں کے چہرے دیکھے، اتنا ہی کافی نہیں تھا تو تم نے صائبہ کو ساری عمر سولی پر چڑھائے رکھا، اسے الزام دیتی رہی جس کی کوئی غلطی نہیں بلکہ اس واقعے کے بعد اسے تمہاری زیادہ ضرورت تھی، تم نے صرف اس سے منہ ہی نہیں موڑا بلکہ میری معصوم بچی پر زندگی تنگ کر دی، اسے سمیٹنے سنوارنے کی بجائے روز توڑتی رہی، اس کی زندگی....."

عبدالخالق اب رو رہے تھے۔ ان سے بات مکمل نہ ہو سکی۔ صائبہ بھی رونے لگی تھی۔

"جو پاس تھا، جو بچا تھا اس کی قدر نہیں کی تم نے، دکھوں کے ساتھ جینا آسان نہیں ہوتا مگر ہمیں کوشش کرنا پڑتی ہے، لڑنا ہوتا ہے، جیسے اب اتنے عرصے بعد صائبہ لڑ رہی ہے، کوشش کر رہی ہے، اس نے ہمت کی ہے تو تم اسے پیچھے نہ کھینچو، خدا کا واسطہ اسے اس قید سے رہائی دو، اسے خوش رہنے دو تاکہ میں سکون سے مر سکوں۔" ہاجرہ ہکا بکا انھیں سن رہی تھیں۔ وہ تھکے تھکے سے کمرے سے باہر نکلے اور

www.zemtime.com

ہال میں ان دونوں کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ صائبہ نے دیکھا ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ وہ کرتے کی آستین چہرے پر پھیر کے ان کے قریب آئے اور وہ ان کے سینے سے لگ کر بری طرح رو پڑی۔

"میں آنٹی کو دیکھتا ہوں۔" اسیر جانے لگا تھا کہ عبدالخالق نے اسے روکا۔

نہیں، رہنے دو۔" انہوں نے صائبہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"میں آج کچھ زیادہ بول گیا بیٹا! تم پریشان نہ ہو، کچھ وقت بعد تمہاری ماں ٹھیک ہو جائے گی، میں معافی مانگ لوں گا اس سے۔ مجھے وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔" وہ اور تیزی سے رونے لگی۔

"کچھ غلط تو نہیں کہا تھا انہوں نے۔ گھر کے مرد سے سب ہی سنبھل جانے اور سنبھال لینے کی توقع رکھتے تھے، اس کی بہادری کے پیچھے کی پردہ داری کوئی نہیں سمجھتا۔ وہ دیکھتی تھی، اب بھی شہر یا آس پاس کے علاقے میں کسی لاوارث لاش کی خبر پر وہ چپ چاپ گھر سے نکل جاتے تھے۔ وہ اب بھی ہر ہفتے اقبال چوہدری سے ملتے تھے۔ خاموشی سے انتظار اور تلاشِ مسلسل تو ان کی اب تک جاری تھی۔

"بس بیٹا۔" انہوں نے اسے خود سے الگ کیا۔ "فکر نہ کرو، میں تمہاری ماں کو منا لوں گا۔ وہ شام میں سو کر اٹھے گی تو نارمل ہو گی۔" انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے۔

"ابو!" اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ "یہ بات یہیں ختم کر دیں۔" اس کا سر جھکا تھا۔

"نہیں بیٹا۔ تم اپنی ماں کی باتوں کو دل پر مت لیا کرو، وہ ذہنی مریضہ ہے۔" ذرا دیر پہلے جذبات اور طیش میں وہ خود یہ بھول گئے تھے جس کا انھیں افسوس تھا۔

"تم یہاں سے دور جاؤ، زندگی جیو، خوش رہو، یہ میری خواہش ہے۔ تمھیں آگے بڑھنا ہے، ایک نئی شروعات کرنی ہے اور اس سفر میں اسیر کو تمھارا ہاتھ تھماتے ہوئے میں مطمئن ہوں۔" ان کا لہجہ مضبوط اور حتمی تھا۔

☆☆☆

اسے کمرے میں بھیج کر اسیر اور عبدالخالق نے وہ سہ پہر آگے کی منصوبہ بندی میں گزاری۔ وہ اب دیر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ عصر پڑھ کر کمرے سے باہر نکلی تب تک وہ دونوں ہال میں ہی تھے۔ وہ چائے بنا کر ٹرے لیے ہال میں آئی۔

"میں امی کو دیکھتی ہوں۔" وہ دونوں کے سامنے کپ رکھ کر ان کے کمرے میں چلی آئی۔ خلافِ معمول وہ پلنگ پر پیر لٹکائے بیٹھی تھیں۔ بستر کی حالت اور ان کا چہرہ بتا رہا تھا وہ سوئی نہیں تھیں۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ سو کر نہیں اٹھیں یعنی وہ ابھی تک ابو کی باتیں سوچ رہی ہیں۔ وہ پلٹ کر عبدالخالق کو بلانے کا سوچ رہی تھی کہ ہاجرہ نے پکارا۔

"صائبہ!" ان کا انداز اور آواز مختلف تھی۔

"ادھر آؤ۔" انہوں نے بستر پر اپنے قریب ہاتھ رکھا۔ وہ ڈرتے ڈرتے ان کے قریب بیٹھ گئی۔ ہاجرہ پوری اس کی سمت گھومیں۔

"مجھے معاف کر دو صبو....." انہوں نے اسے بالکل ویسے پکارا جیسے اس حادثے سے پہلے لاڈ سے پکارتی تھیں۔

"امی!" اس نے تڑپ کے کہا۔ اس پر گھبراہٹ سوار ہونے لگی۔ وہ ماں کے لیے اتنی محتاط اور خوف زدہ رہتی تھی کہ ان کا یہ نیا روپ بھی اسے کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہا تھا۔

"میرے تین بچے اور ہیں، میں یہ بھول گئی تھی۔ تمھارے ابو نے ٹھیک کہا مگر بہت دیر سے کہا، میں نے بہت تنگ دلی اور بزدلی کا مظاہرہ کیا، سنبھلنے کی کوشش ہی نہیں کی، باقیوں کا سوچا ہی نہیں، تمھیں محروم رکھا، جلی کٹی سناتی رہی، اب تو تلافی کا وقت بھی نہیں، میں پھر ہوش سے بے گانہ ہو جاؤں، اس سے پہلے مجھے کہنے دو۔" انہوں نے ساکت بیٹھی صائبہ کا چہرہ ہاتھوں میں لیا۔

"تم میری بہت پیاری اور بہادر بیٹی ہو۔" وہ

www.zemtime.com

رو رہی تھیں۔ "میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کیا، ثوبان کا گم ہونا حادثہ تھا، تمہاری کوئی خطا نہیں تھی پھر بھی میں نے تمہیں گناہ گار بنا دیا، تمہیں اپنے لفظوں سے گھائل کرتی رہی۔ وہ سانحہ ہم سب کا امتحان تھا جس میں میں ناکام رہی تم سب نہیں اور سب میں بھی معتبر تم ہو۔"

"امی!" اس کی لرزتی آواز میں بے یقینی اور نمی تھی۔ ہاجرہ نے اسے گلے لگایا اور دونوں زار و قطار رونے لگیں۔ دروازے میں کھڑے عبدالخالق اور اسیر حیرت زدہ سے اندر کا منظر دیکھ رہے تھے۔

"میں ماں تھی مگر تم میری ماں بن گئیں، تم نے مجھے ماں کی طرح سنبھالا۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ "کاش میں ہوش میں رہوں اور اپنے رویے کی تلافی کر سکوں!" وہ کہہ رہی تھیں اور صائبہ کے بدن سے سوئیاں اڑ کر کہیں غائب ہونے لگیں، اس کے پیروں سے کانٹے نکل رہے تھے، سر سے سیاہ سائے ہٹ رہے تھے، زنداں کے دریچے میں پرندے پر پھڑپھڑا کر زنجیریں ٹوٹنے کی نوید دے رہے تھے۔ اس کے آنسوؤں میں بیس برسوں کی تھکان اور اذیت بہہ رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دو صبو۔"

عبدالخالق نے اندر آ کر دونوں کے سروں پر ہاتھ رکھا۔

"اب بس کرو۔" ان کی آواز بھرائی تھی۔ صائبہ ان سے الگ ہوئی۔

"آپ بھی مجھے معاف کر دیں۔" انہوں نے شوہر کا ہاتھ تھاما۔

"کسی کو کسی معافی کی ضرورت نہیں۔" انہوں نے بیوی کے آنسو پونچھے۔ دو محبت کرنے والے میاں بیوی کا تعلق جو بیس سال پہلے منجمد ہو گیا تھا، آج پگھلنے لگا تھا۔

"ابھی ہمیں اپنی بیٹی کی شادی کرنا ہے اور پھر جو وقت بچا ہے اسے بیس سال پہلے جہاں سب ٹھہر گیا تھا، وہیں سے دوبارہ شروع کریں گے۔"

"ہمم۔" ہاجرہ نے اقرار میں سر ہلایا۔

"اسیر!" انہوں نے دروازے کے باہر کھڑے اسیر کو پکارا۔

"جی۔" وہ کمرے میں آیا۔

"بیس سال بعد مجھے خوشی کا احساس صائبہ اور تمہاری شادی پر ہی ہوگا۔" عبدالخالق کے بجائے ہاجرہ نے کہا۔

اسی رات سب کو فون کھڑکائے گئے۔ اس کی شادی کی تاریخ طے کرنے سے پہلے نعمان اور لائبہ سے بات کرنا ضروری تھا کہ انہیں اور بچوں کو کب چھٹیاں مل سکتی ہیں۔ اسیر نے آپی سے بات کی انہوں نے عبدالخالق سے پھر تایا جان کو بھی یہ خوش خبری دی گئی۔ وہ سب ہاجرہ کی ہوش مندی اور حواس میں ان کی تمنا پوری کرنا چاہتے تھے کیوں کہ اس کا دورانیہ کتنا ہوگا کوئی نہیں جانتا تھا۔

☆☆☆

جس رات بیس سال بعد عبدالخالق اور صائبہ سکون کی نیند سوئے تھے وہ رات ہاجرہ کی آخری رات ثابت ہوئی۔ وہ اپنے وقت پر جاگی نہیں تو عبدالخالق انہیں جگانے گئے مگر وہ ابدی نیند سو چکی تھیں۔

کہانی انجام کو پہنچے تب ہی کتاب بند کر کے سکون ملتا ہے ورنہ ادھوری کہانیاں بے چین رکھتی ہیں اور ایک تکمیل کو نہ پہنچا قصہ کس طرح ان سب کو ادھورا کر گیا تھا۔

ہاجرہ جانتی تھیں اسی لیے اپنے باب کو مکمل انجام دیا تھا تاکہ باقی سب کتاب بند کر کے پرسکون ہو سکیں۔ کوئی ادھورا پن اور ان کہی کی بے قراری کسی کے ساتھ نہ رہے۔

وہ اپنے اختتام سے سب کے لیے نئے آغاز کا راستہ کھول گئی تھیں۔ بیس سالوں میں اتنے ہوش و حواس میں وہ پہلی بار اسی لیے آئی تھیں کہ یہ آخری بار تھا۔

لائبہ وقت پر پہنچ گئی تھی مگر نعمان کو ماں کا آخری

www.zemtime.com

دیدار نصیب نہیں ہوا۔ نعمان باپ کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا مگر وہ اسی شہر اور گھر میں رہنا چاہتے تھے تب صائبہ نے ان کے ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

"ابو! میں چاہتی ہوں آپ بھی یہاں سے باہر نکلیں، اس شہر اور اس گھر سے پرے کی زندگی اور دنیا کے رنگ دیکھیں۔ آپ باپ ہی نہیں نانا اور دادا بھی ہیں۔ اپنے نواسوں اور پوتا پوتی پر اپنی محبتیں نچھاور کریں، ان کی چھوٹی بڑی خوشیاں اور شرارتیں انجوائے کریں۔ اپنے ان دو بچوں کے ساتھ بھی وقت گزاریں۔ آپ نے ذمہ داریاں بہت احسن طریقے سے نبھائی ہیں اب سب کے ساتھ زندگی جییں، مسکرائیں، ہنسیں۔ آپ یہاں اس گھر میں بند رہیں گے تو میں بھی آپ کے ساتھ بند رہوں گی۔"

اور وہ مان گئے۔

ان کی شادی کے بعد وہ نعمان کے ساتھ چلے گئے تھے۔ اسیر کو یہاں کے اسپتال کا کمٹمنٹ پورا کرنا تھا۔ اس کے بعد وہ ناسک میں اپنے والدین کا اسپتال سنبھالنے والا تھا۔

☆☆☆

بیگز ڈکی میں رکھنے کے بعد وہ کچھ دیر صائبہ کا انتظار کرتا رہا جب وہ نہیں آئی تو وہ اندر آیا۔ سب کمرے بند تھے بس ہال اور باہر کا دروازہ مقفل کرنا تھا۔

"صائبہ!" وہ آواز دیتا ہال میں آیا۔ وہ اسی دیوار کے پاس فرش پر پیر پھیلائے بیٹھی تھی۔ وہ کچھ کہے بغیر آگے آکر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ وہ رو نہیں رہی تھی مگر کسی بھی پل آنسو لڑھکنے والے تھے۔ اسیر نے بازو پھیلا کر اسے خود سے قریب کیا۔

"تم رو لو آخری بار۔" اس کی ساری یادیں یہیں بکھری پڑی تھیں۔ اس چار دیواری کو چھوڑ کر، یہاں سے دور وہ پہلی بار جا رہی تھی۔ وہ رونے لگی۔

"ہم آتے رہیں گے، ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر تو نہیں جا رہے۔" کچھ دیر بعد اسیر نے کہا۔ اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے سر ہلایا۔

"میری زندگی کے کچھ بہت حسین پل اور خوبصورت یادیں اس شہر اور گھر سے جڑی ہیں۔" اسیر نے اس کی بائیں ہتھیلی ہاتھ میں لے کر پشت کے ہلکے ہورے نشان پر انگوٹھا پھیرا۔ "یہ گھر اور شہر میرے لیے خاص ہیں کہ یہاں مجھے تم ملی ہو۔" وہ اس کی غمگین اور اداس یادوں کی کھڑکی میں کچھ خوش کن جگنو ڈال رہا تھا۔

"یہ ہمیشہ میری اچھی یادوں کا حصہ رہے گا۔ تم بھی اسے ایسے ہی یاد رکھو۔"

صائبہ نے اس کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ بہت دن ہوئے اس کے احساسات کی محفل میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔ کئی نئے چہرے پہلی دوسری قطار سنبھال چکے تھے۔ اداسی اور دکھ اب کہیں پیچھے دبکے رہتے تھے۔ وہ جانتی تھی، یہ موقعہ دیکھ کر وقتاً فوقتاً آگے آتے رہیں گے مگر اب وہ تنہا نہیں تھی۔ اس کے ساتھ، اس کے پاس، ایک ماہر طبیب، ایک مسیحا تھا..... بلکہ نہیں وہ تو ساحر تھا جس کے چند الفاظ میں ہی وہ تاثیر تھی کہ زخم بھی خوشبو بکھیرنے لگتے تھے اور تیرگی میں رنگے احساسات ست رنگی ہو جاتے تھے۔

"اتنے غور سے کیا دیکھ رہی ہو بلکہ کیا سوچ رہی ہو؟" اسے یک ٹک ہاتھوں پر نگاہ ٹکائے دیکھ اسیر نے سوال کیا۔

"اسی وجہ سے یہ میرے لیے بھی خاص ہے۔" اس نے اسیر کی سمت دیکھا۔ "مگر یہ میرا میکہ بھی ہے، اس لیے ہر بار یہاں سے جاتے ہوئے میری آنکھیں نم تو رہیں گی۔" وہ دکھ ہی نہیں سب کچھ بانٹنے کی اہمیت جان گئی تھی۔

"فیئر اِنف!" اسیر نے سر ہلایا پھر یونہی اس کا ہاتھ تھامے کھڑا ہوا تو اسے بھی اٹھنا پڑا۔

"اب چلیں..... ورنہ آپی خود آجائیں گی۔"

اس نے چاروں طرف الوداعی نظر ڈالی۔ سارے منفی اور مایوس خیالات وہ یہیں چھوڑ کر جا رہی تھی اس امید کے ساتھ کہ اگلی دفعہ آئے گی تو ایک نئی

www.zemtime.com

اور پُر رجا صائبہ سے مل کر وہ یہ گھر بھی چھوڑ جائیں گے۔

"چلیں۔" اسیر کا ہاتھ کھینچتے ہوئے وہ اس سے پہلے دروازے کی سمت بڑھی تھی۔

☆☆☆

صائبہ اپنی تکلیف اور تجربہ یوں ضائع نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔ ناسک منتقل ہو جانے کے بعد اس نے اسیر سے کہا تھا۔

"ہمارے یہاں گمشدہ افراد کے خاندان یا کسی بھی حادثے میں بچ جانے والوں کے لیے کوئی مستحکم ادارہ ہے نہ کوئی سپورٹ سسٹم نہ کسی قسم کی گائیڈ لائنز ہیں۔ جو محدود ہیلپ موجود ہے، اس کا علم اور فائدہ اٹھانے کی سکت صرف متمول طبقے میں ہے۔ متوسط اور غریب طبقے کا کوئی پُرسان حال نہیں۔ اگر کہیں کچھ ہے بھی تو ضرورت مند کو اس کی خبر ہی نہیں۔ جب کہ غریب بستیوں میں گمشدگی کے معاملات زیادہ ہوتے ہیں۔ میں ایسے خاندانوں کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ کسی نے ہمیں دردِ دل کرسہنے کا مشورہ ہی دیا ہوتا تو بھی ہمارے حالات بہت مختلف ہوتے تھے اس لیے میں کوئی چھوٹی سی شروعات، معمولی سی مدد ہی سہی، لیکن مجھے اپنے جیسے پیچھے رہ جانے والوں کے لیے کچھ کرنا ہے۔"

اور اسیر نے وعدہ کیا تھا وہ اس میں اس کی پوری مدد کرے گا۔ اس معاملے میں آپی بھی اس کے ساتھ تھیں۔

کئی مہینوں کی ریسرچ اور محنت کے بعد اب اس کی ایک این جی او تھی جو پیچھے رہ جانے والوں کے لیے کام کرتا تھا۔ ان خاندانوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ ایسے بچوں کی تلاش میں بھی انوالو ہو گئی تھی۔

بیس اکیس سال میں حالات بہت بدل گئے تھے۔ گم شدہ افراد کی تلاش کے لیے الگ محکمہ تھا جن کا طریقہ کار اور نیٹ ورک بھی پہلے سے بہتر تھا۔ اقبال چوہدری بھی اس کے این جی او کے ساتھ رضا کارانہ طور پر کام کرتے تھے۔

☆☆☆

عبدالخالق چند ماہ بعد کچھ وقت کے لیے واپس آئے تو وہ بھی کچھ دن کے لیے ان کے پاس آئی تھی جب ایک دن اقبال چوہدری کے فون نے ان کی دنیا بدل دی۔

"ثوبان مل گیا ہے عبدالخالق۔" ان کی آواز کا جوش اور خوشی اپنی اولاد مل جانے جیسی تھی۔

"کیا.....؟" انھیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا مگر یہ معجزہ رونما ہو چکا تھا۔

اقبال چوہدری کی ہمیشہ اور ہر جگہ ثوبان کی تصویریں دینے اور چھوڑنے کی عادت رنگ لائی تھی۔ کسی خاتون نے ثوبان کی تصویر پہچان لی تھی جو جوانی میں لوگوں کے گھروں میں کام کیا کرتی تھیں۔ وہ بچہ بیس اکیس سال قبل، اس کے گمشدہ ہونے والے سال ہی ایک کرسچن جوڑے کے گھر آیا تھا۔ انہوں نے اس بچے کے متعلق کہا تھا کہ اپنے کسی غریب رشتے دار کا بچہ گود لیا ہے۔

بہت ساری ضابطے کی کارروائیوں کے بعد وہ ان کے سامنے تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے اس کی کہنی پر وہ زخم کا نشان دیکھا تھا جو بچپن میں چلنے سے بچ گیا۔ تقریباً ستائیس سال کا وہ دبلا پتلا نوجوان عبدالخالق کی جوانی کا عکس تھا مگر کنفیوز اور ڈرا ڈرا سا۔ جسے وہ ساری دنیا میں تلاش کر رہے تھے وہ ان کے بہت قریب تھا۔ مزید تحقیق اور مجرم جوڑے کے اقبال جرم سے صاف ہوا تھا کہ اسے پاس کے شہر کے ایک عیسائی میاں بیوی نے اغوا کیا تھا۔ پہلے ڈیڑھ سال تک اسے بڑے پیار سے گھر تک ہی محدود رکھا کہ وہ کہیں بھاگ نہ جائے یا کسی کو اصلیت نہ بتا دے۔ وہ مالی طور پر خوش حال مگر بے اولاد تھے۔ ثوبان کو گھر لانے کے بعد قسمت نے انھیں جلد ہی اولاد کی نعمت سے نواز دیا اور اس کے بعد انھیں کسی غیر کو بیٹا ماننے اور سمجھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اپنی اولاد کے ملتے ہی ان کا دل اور نیت بدل

www.zemtime.com

گئی تھی۔ ثوبان کی صورت میں انھیں بنا تنخواہ والا نوکر مل گیا اور گھر کے کاموں کے لیے وہ چار دیواری کا قیدی بنا دیا گیا تھا۔ اولاد کی خواہش میں کیا گیا جرم اب اکلوتی اولاد کی خاطر ہی زندگی بھر چھپائے رکھنا لازمی تھا۔ انھوں نے اس کوشش میں ثوبان کی شخصیت مسخ کر دی تھی۔ وہ ہمیشہ گھر میں بند رہنے والا ان پڑھ اور اعتماد سے محروم کمزور سا نوجوان تھا۔ ایک بوڑھے اور ایک لڑکی کو یوں خود سے لپٹ کر روتے دیکھ اس کا دل عجیب ہو رہا تھا۔ اسے اپنی زندگی کے غیر معمولی پن کا احساس ہمیشہ رہتا تھا مگر حقیقت اتنی ڈرامائی اور دکھی ہوگی یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

ہاجرہ کی دیوانگی یونہی نہیں تھی، ثوبان کے ذہن میں صرف ماں اور مکان کی دھندلی یادیں تھیں، ان کے علاوہ اسے کوئی اور یاد نہ تھا۔ اس یاد کے سہارے اس نے مان لیا تھا کہ اس کی صرف ماں تھی اور وہ کسی وجہ سے دور ہو کر خود ہی بھٹک گیا تھا۔ اس کی ایک ہی خواہش تھی کہ وہ بھی تو اپنی ماں سے مل سکے۔

جب وہ ہاجرہ کی تصویر دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رویا تو سب کے دل میں ایک ہی کاش تھا کہ ہاجرہ یہ دیکھ پاتیں۔ نعمان اور لائبہ بھی آئے تھے۔ وہ ان کے لیے بھائی اور بیٹا تھا لیکن اس کے لیے وہ سب اجنبی تھے۔ اجنبیت اور دوری کے باوجود خون اور دل کے رشتوں نے بہت کچھ آسان کر دیا تھا۔

☆☆☆

کار سے ٹیک لگائے وہ بھیگی آنکھوں سے قبرستان کے احاطے کی سلاخوں کے پار کا منظر دیکھ رہی تھی جہاں ہاجرہ کی قبر پر ثوبان زار و قطار رو رہا تھا اور عبدالخالق اسے شانوں سے تھام کے کھڑے تھے۔ وہ سب آج یہ شہر اور گھر چھوڑ کر جا رہے تھے۔ ثوبان کو طبی اور نفسیاتی مدد کے ساتھ ساتھ محبت اور اپنائیت کی ضرورت تھی اور یہ سب کے ایک ساتھ رہنے پر ہی ممکن تھا۔

"کاش امی تھوڑا اور انتظار کر لیتیں.....!" اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اصل زندگی میں ایسی پرفیکٹ اینڈنگ نہیں ہوتی ہے۔" اسیر نے ثوبان اور عبدالخالق کو دیکھتے ہوئے ہی اس کے پیچھے بازو پھیلایا۔

"مگر ثوبان کے لیے مجھے پرفیکٹ اینڈنگ لکھنا ہے۔"

"صائبہ....." اسیر نے گردن اس کی سمت گھمائی۔ "ثوبان کو ابھی اپنی شخصی، مذہبی، خاندانی ہر پہچان تلاش کرنا ہے، اسے اپنانا ہے، وہ بہت ٹوٹا پھوٹا ہے، اسے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے میں ہی بہت وقت لگے گا، اس کے لیے یہ سفر نہایت مشکل ہے اور پھر اب تک جس کی زندگی امپرفیکشن کی مثال رہی ہو اس سے کسی بھی معاملے میں پرفیکشن کی امید لگانا زیادتی ہوگی۔"

"لیکن میں اس سے امید نہیں رکھ رہی، خود سے کہہ رہی ہوں۔"

"آپ یہ سمجھیں، اسے صرف آنٹی یاد تھیں اور کوئی نہیں اور اب وہ ہی نہیں ہیں، ثوبان بھی پیچھے رہ گیا ہے اس لیے اس سے بہت توقعات رکھیں نہ خود کو اس پریشر میں ڈالیں کہ سب صحیح کرنا ہے۔"

اس کے ذہن میں "ثوبان بھی پیچھے رہ گیا ہے۔" اٹک گیا تھا۔ اس نے نظر پھر ادھر کی جہاں عبدالخالق نے اسے گلے لگایا ہوا تھا۔

اسے پیچھے رہ جانے والوں کو سنبھالنے اور سنوارنے کا سلیقہ آ گیا تھا اور وہ اس بار تنہا بھی نہیں تھی۔

"تو مجھے امپرفیکشن کو ہی تکمیل سے زیادہ خوبصورت بنانا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے پورے یقین سے کہا تھا۔

☆☆

www.zemtime.com